اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے (اقبال)

اینگلو عربک گرلز ہائی اسکول
میگزین

جلد اول — ستمبر ۱۹۴۳ء — شمارہ چہارم

مجلس ادارت:

[illegible]

فہرستِ مضامین

اعلان

ہمارے پاس چونکہ مضامین کثیر تعداد میں وصول ہوئے ہیں اس لئے قلتِ جگہ کے باعث بہت سے مضامین شائع نہ ہو سکے۔ جن طالبات کو اپنا مضمون اس نمبر میں نظر نہ آئے اُن کو مایوس نہ ہونا چاہئے۔ انشاء اللہ اُن کا مضمون معیار پر پورا اُترنے پر آئندہ نمبر میں شائع کیا جائے گا۔ مجلس ادارت اُن تمام لڑکیوں کا شکریہ ادا کرتی ہے جنھوں نے میگزین ھٰذا کے لئے مضامین ارسال کئے۔ اور میگزین ھٰذا کو کامیاب بنانے کی کوشش کر رہی ہیں

نگران

التسعی منّی والاتمام من اللہ

معروضات

ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر سازِ فطرت میں نوا کوئی (اقبال)

ہمارے میگزین کا چوتھا نمبر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے تعطیلاتِ کلاں کے باعث ماہِ ستمبر ۱۹۴۱ء میں شائع ہو رہا ہے دہلی کے طبقۂ نسواں نے جس قدر ہمارے میگزین کی اور حلقۂ ادارت کی قدر افزائی فرمائی ہے وہ ہمارے لئے ہر طرح باعثِ فخر و مباہات ہے میں حلقۂ ادارت کی جانب سے ان تمام بہنوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنھوں نے درمے وقدمے میگزین ھذا کی امداد فرمائی ہے۔

ہمارے میگزین کے گذشتہ نمبر پر دہلی کے نہایت موقر اور کثیر الاشاعت اخبار "انجام" نے تنقید کرکے ہمیں ممنون کیا ہے۔ جس کے لئے اخبار مذکور کا پُر خلوص شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ یہ دیکھکر گونہ مسرت ہوئی ہے کہ نہ صرف مقامی جرائد ترقیِ نسواں سے نہایت دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ صحیح معنوں میں طبقۂ نسواں کی فلاح و بہبود اور تعلیمی ترقی کے خواہاں ہیں۔

میگزین ھذا کی آئندہ ترقی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ بے جا نہ ہوگا اگر میں طالباتِ سکول و ناظرین میگزین کی توجہ اس جانب مبذول کروں کہ آئندہ سے میگزین ھذا کے حصۂ اُردو کے تین حصے ہونگے۔ حصۂ اوّل علمی۔ حصۂ دوم مذہبی اور حصۂ سوم ادبی ہوگا۔ اس لئے جملہ طالبات سے استدعا ہے کہ وہ اس تقسیم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہر سہ قسم یعنی علمی، مذہبی اور ادبی مضامین تحریر کریں۔ صرف ادبی مضامین یعنی لطائف اور افسانوں وغیرہ کی بھرمار ایک گرلز سکول کے لئے نسبتاً اس قدر موزوں نہ ہوگی۔ جس قدر ہر سہ مضامین کا بہ حصۂ متناسب میگزین ھذا میں زینتِ اوراق ہونا۔ علاوہ ازیں علمی اور مذہبی مضامین کا میگزین میں درج ہونا میگزین کو اسکول کی زندگی و تعلیم کا صحیح آئینہ بنانے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ نیز یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ ہر مضمون صاف اور خوشخط پورے کاغذ پر ایک سطر چھوڑ کر لکھنا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ مضامین لکھنے کے بعد خود بھی اس پر نظرِ ثانی کریں اور املا وغیرہ کی غلطیاں اور الفاظ کی بھول چوک درست کریں تاکہ مجلسِ ادارت کے فرائض میں بجائے زیادتی کے کمی واقع ہو اور مجلس ادارت اپنے وقت اور توجہات کو میگزین کی ترقی دینے میں صرف کر سکے۔

ان امور سے زیادہ ضروری امر جو مضمون نگار طالبات کے گوش گذار کرنا چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ جو مضمون تم مجلس ادارت کو اشاعت کے لئے دو وہ صحیح معنوں میں تمھاری کاوشِ ذہنی اور معلومات کا نتیجہ ہونا چاہئے۔ اس میں شک نہیں کہ مضمون محنت سے لکھ لینے کے بعد اپنی اُستانیوں سے یا اپنے والدین اور بھائی بہنوں وغیرہ سے اصلاح لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن ایسا ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ سب کا سب مضمون کسی دوسرے شخص سے لکھوا کر برائے اشاعت بھیج دیا جائے۔ یہ نہ صرف علمی دیانت کے خلاف ہے بلکہ کسی نے خوب

نہا ہے کہ سہ   حقا کہ با عقوبتِ دوزخ برابر است

رفتن بہ پائے مردیِ ہمسایہ در بہشت

میں مجلسِ ادارت کی جانب سے دوبارہ اعلان کرتی ہوں کہ آئندہ سے میگزین ھٰذا کی اشاعت کے لئے صرف اُن مضامین کو ترجیح دی جائے گی جو طالبات کی محنت، شوق اور کاوش کا نتیجہ ہونگے۔ میگزین ھٰذا کے مضامین کے انتخاب کا معیار خدا کا شکر ہے کہ ابتک یہی قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس رحمان و رحیم خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارے اسکول کی زندگی کا نیا تعلیمی سال نہایت اُمید افزا اور شاندار انداز سے شروع ہو رہا ہے۔ امسال تعدادِ طالبات ۱۲۵ سے زائد ہے اور داخلہ برابر جاری ہے۔ میں نہایت مسرت اور فخر کے ساتھ اس حقیقت کو ظاہر کرنا چاہتی ہوں کہ یہ سب کچھ ہماری لائق اور قابلِ فخر ہیڈ مسٹرس مس محمودہ بانو انصاری کی اَن تھک کوشش اور اسکول کے مفاد کے لئے لامحدود ریاضت و محنت کا نتیجہ ہے۔ گذشتہ سالوں میں تعدادِ طالبات کبھی سو سے زائد نہ ہو سکی اور اب چالیس فی صدی ہو چکی ہے۔ ہمارے سکول کے میٹرک کا نتیجہ امسال صحیح معنوں میں شاندار رہا۔ گذشتہ سالوں میں پانچ چھ سے زیادہ طالبات امتحان میں شریک نہ ہوئی تھیں۔ پھر بھی نتیجہ ½ ۸۷ فی صدی کبھی نہیں رہا۔

گذشتہ امتحان میٹرک میں اسکول سے پندرہ طالبات شریک ہوئیں اور تیرہ کامیاب ہوئیں۔ یعنی نہ صرف نتیجہ ½ ۸۶ فی صدی رہا بلکہ اسکول صوبہ دہلی میں نتیجہ کے اعتبار سے دوسرے نمبر پر رہا۔

ہم کو اپنے سکول کی ایک طالبہ کا مضمون ء ربک کالج میگزین میں پاکر مسرت بھی ہوئی اور تعجب بھی۔ مسرت اس امر پر کہ یہ جرأت نہایت لائقِ تحسین ہے۔ اور تعجب اس امر پر کہ مضمون مذکور میں جہاں اسکول کی ترقی کا ذکر کیا گیا ہے وہاں خاص طور سے میگزین ھٰذا کے اجراء سے متعلق خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں انجمن تاریخ کے اجراء کی تاریخ غلط اور خلافِ واقعہ بیان کی گئی ہے۔ میں اس امر کو قطعاً واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ انجمن تاریخ کا اسکول ھٰذا میں اجراء۔ ڈیبیٹنگ سوسائیٹی اسکول ھٰذا کا اپنے فرائض صحیح معنوں میں شروع کر دینا۔ دینیات اور اسکول میں باقاعدہ حاضری پر انعامات مقرر ہونا۔ میگزین کے بہترین مضامین پر انعام دیا جانا یہ سب کچھ اس وقت سے شروع ہوا ہے جب سے مس محمودہ بانو انصاری نے ہیڈ مسٹرس کے عہدہ کا چارج لیا ہے اور یہ قطعاً احسان فراموشی ہوگی اگر ہم حقیقی معنوں میں محترمہ مس انصاری صاحبہ کے تہ دل سے ممنون نہ ہوں۔ میں آخر میں مسٹر انیس احمد رشدی ایم، اے بار ایٹ لاء سکریٹری اسکول ہٰذا کا بھی دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ موصوف نے اسکول کے انتظامی معاملات کو نہایت خوبی سے انجام دیا ہے۔ موسم گرما میں برقی پنکھوں کے انتظام سے اساتذہ اور طالبات دونوں کو گرمی کے سخت موسم میں بے حد آرام ملا۔ جس کے لئے دونوں نہایت ممنون ہیں۔

(نگران)

۷۸۶

پیغامِ تنویر

از محمودہ تنویر دہلی

تا بکے اے دخترِ خوابیدۂ غفلت تا بکے
یہ تری وارفتگی، یہ عیش و عشرت تابکے

اپنی تاریخِ گذشتہ پر بھی ڈالی ہے نظر
اپنی موجودہ روش کا بھی ہے کچھ تجھ پر اثر

تھا مسلم اک زمانے میں ترا طرزِ عمل
ہیں تری ممنونِ احساں اب بھی اقوام و ملل

ذرّے ذرّے پر جہاں کے بادشاہت تو نے کی
درحقیقت قلبِ انساں پر حکومت تو نے کی

بے تکلف راہِ حق میں سر کئے اپنے قلم
موجۂ آبِ رواں پر تو نے لہرائے علم

رفتہ رفتہ ڈھل چکا ہے یوں ترا عہدِ شباب
ابر کے ٹکڑوں میں چھپ جاتا ہی جیسے آفتاب

اہلِ دنیا کو ابھی تیرے فسانے یاد ہیں
راہِ حق میں جو لٹائے تھے خزانے یاد ہیں

آج خدمت قوم کی دھبہ ہے تیری شان پر
تو وہی ہے کھیل جاتی تھی جو اپنی جان پر

اڑ رہی ہیں غیر قومیں اب ہوا کے دوش پر
تیری عزت بھی کبھی آئے گی آخر جوش پر

غم نہ کر اس حال میں بھی خود سنبھل سکتی ہے تو
زورِ ہمت سے رخِ قسمت بدل سکتی ہے تو

درسگاہِ طبقۂ نسواں کا کیا مشکل قیام
تو اگر چاہے بدل سکتی ہے دنیا کا نظام

شہر دہلی میں ہے یہ واحد زنانی درسگاہ
ہر مسلماں پر ہے لازم ہو وہ اس کا خیر خواہ

اُٹھ خدا کے واسطے اسکول کی امداد کر — کچھ تو اپنی قوم کو افلاس سے آزاد کر
آ، مس انصاری کے ذوق و شوق کی تقلید کر — آ مس انصاری کی ہر تجویز کی تائید کر
پیکرِ علم و عمل بن عیش سے بیزار ہو — خدمتِ قومی کی خاطر آہنی دیوار ہو
زندگی کے باب میں آج اِس قدر ترمیم کر — تجھ سے مس عارفؔ کی جتنی ہو سکے تعظیم کر
آج اُن کو اپنے عیشِ جاودانی سونپ دے — ہو سکے تجھ سے تو اپنی زندگانی سونپ دے
کوششوں پر مس قریشی کی بھی کر اِک دن نگاہ — اور پھر تجویز کر اپنے لئے ایسی ہی راہ
دقتیں ہی دقتیں ہوں جس میں آسانی نہ ہو — ہو مفادِ قوم دل میں بات من مانی نہ ہو
پھر توجہ کر مسز شاغل کے ہر ایثار پر — اور اُچٹتی سی نظر اِک اپنے بھی کردار پر
اِس طرح اسکول کی امداد صبح و شام کر — اِک نظر آغاز پر ہو اِک نظر انجام پر
صابرہ آپا سے نظم و ضبط کے اطوار سیکھ — مدرسے کے واسطے آرام چھوڑ آزار سیکھ
رفعتؔ آپا سے بلندی تخیل سیکھ لے — زندگی کے راز و تغیر و تبدل سیکھ لے
مدرسے کے واسطے غیروں میں سر نیچا نہ کر — جان کی بھی گر ضرورت ہو تو کچھ پروا نہ کر

تجھ سے وابستہ ابھی تک حسرتِ تنویر ہے
مدرسہ اِک خواب ہے تو خواب کی تعبیر ہے

12/5/41

مطالعۂ کُتب

مطالعہ کُتب ہماری مہذب زندگی کا بہترین مشغلہ اور ہماری ذہنی ارتقاء و تربیت کا افضل ترین ذریعہ ہے۔ اس آفات ومشکلات سے معمور دُنیا میں میرے نزدیک انتہائی تکلف اور عیش اس سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا کہ انسان کے پاس مفید اور دلچسپ کتابوں کا کافی ذخیرہ ہو اور ان کے مطالعہ کے لئے کافی وقت۔ کسی نے خوب کہا ہے "فراغتے وکتابے وگوشۂ چمنے"

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مطالعہ پر وقت صرف کیا جائے تو اس کو مفید سے مفید ترین بنانے کا اسلوب کیا ہوسکتا ہے۔ باقیماندہ سطور میں راقم الحروف نے اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ گر قبول اُفتد زہے عزوشرف

پہلا سوال یہ ہے کہ مطالعہ تنقیدی نگاہ سے کیا جائے۔ بعض مصنفین کا طرزِ تحریر اس قدر برجستہ اور قوتِ استدلال اس قدر پختہ ہوتی ہے کہ پڑھنے والوں کو اُن کے خیالات کا حامی ہونا ہی پڑتا ہے۔ اس قسم کے اہلِ قلم اپنے ہر نظریہ کو خواہ وہ درست ہو خواہ غلط، اپنے مطالعہ کرنے والے سے منوا ہی لیتے ہیں۔ اسی طرح بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی طرزِ تحریر ہی اُن کے لئے جلائے جان ہوتی ہے۔ ان کے خیالات صاف ہوتے ہیں مگر مشکل یہ ہوتی ہے کہ ہر ایک اس کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ کیونکہ اس کی عبارت پیچیدہ اور مشکل ہوتی ہے۔ اس وجہ سے پڑھنے والا گھبرا جاتا ہے۔ اس دوسری قسم کے اہلِ قلم کی صف میں انگریزی کا مشہور ادیب کارلائل بہت نمایاں ہے۔ اس کے جیسے خیالات شاید ہی کسی کے ہوتے ہوں۔ مگر اس کی طرزِ تحریر اس قدر اُلجھی ہوئی ہوتی ہے کہ پڑھنے والا اس کا ہمنوا نہیں ہوسکتا۔ اس کے برخلاف مشہور امریکن ادیب ایمرسن ہے۔ اس کے خیالات اور پیرایہ دونوں اس قدر مرغوب ہیں کہ اس کی تحریر پر عبور حاصل کرنے کے بعد ہر شخص اس کا ہمنوا بن جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مصنف درست راستہ پر ہے یا غلط راہ پر۔ تنقیدی نگاہ سے مطالعہ کرنے والے ایسے شخص کی تحریر پڑھنے کے بعد فوراً سوال کریں گے کہ مصنف کچھ کہنا بھی چاہتا ہے یا نہیں؟ اس کو اگر اس کا جواب تسلی بخش مل جائے گا تو وہ سمجھے گا کہ یہ اہلِ قلم میرے مایۂ علم میں کچھ اضافہ کر سکے گا۔ ورنہ بصورتِ دیگر نہیں۔ صاحبِ تحریر کا مفہوم سمجھنے کے بعد یہ آسان ہو جاتا ہے کہ اس پر اعتماد کیا جا سکے۔ اور اس کے اقوال کی سچائی کے متعلق کچھ چھان بین ہو سکے۔

غالباً یہ بہتر ہو گا کہ اس سلسلے میں چند عملی اشارات بھی پیش کر دیئے جائیں:-

اگر زیرِ مطالعہ تاریخ کا مضمون ہو تو مندرجہ ذیل اُمور دیکھنے چاہئیں:-

(۱) کتاب کے ماخذ اور مصنفین کی اخذ کرنے کی قابلیت۔ (۲) طرزِ تحریر صاف ہے یا پیچیدہ (۳) اسناد

اور طرزِ استدلال۔ (۴) کتاب کی تحریر کو تاریخ کے بنیادی اصولوں سے کہاں تک وابستگی ہے۔ (۵) موجودہ حالات پر کتاب کا کیا اثر ہوگا۔

اگر کوئی ناول یا ڈرامہ ہو تو یہ باتیں پیشِ نظر ہونی چاہئیں:-

(۱) مضمون اور پلاٹ (۲) کردار۔ عادات وخصائل۔ ایک دوسرے سے تعلق اور تقابل و غرض و غایت۔ وغیرہ
یہ صرف اشارات ہیں۔ انھیں بنیادوں پر کچھ تعمیر کیا جا سکتا ہے۔
اصل معنوں میں بہت کم لوگ کتابوں سے (خواہ وہ خریدی ہوئی ہوں یا عاریتاً لی ہوئی) حقیقی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ صرف ایک بار پڑھ لینے سے مطالعہ پورا نہیں ہو جاتا۔ یہ ممکن ہے کہ سرسری طور پر پڑھنے سے کوئی بات ذہن میں رہ جائے۔ مگر غور سے مطالعہ کرنے سے قابلیت میں بہت زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔ دوسری بات جس کا مطالعہ کرتے وقت خیال رکھنا چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ مطالعہ میں جان ڈالی جائے۔ ایمرسن ایک جگہ لکھتا ہے کہ

"جب انسان کا دماغ جولانیوں پر ہو تو زیرِ مطالعہ کتاب کے صفحات دلچسپیوں سے لبریز نظر آنے لگتے ہیں۔ ہر فقرہ اہم معلوم ہوتا ہے اور مصنف کے معانی و مطالب وسیع ہو کر تمام دنیا پر چھا جاتے ہیں۔"

واقعہ یہ ہے کہ ایسی حالت ہر وقت پیدا کی جا سکتی ہے اور اس کے پیدا کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ پڑھتے وقت مصنف کے خیالات کا سلسلہ اپنے ان گذشتہ خیالات سے ملا لیا جائے جو ہمارے ذہن میں یقین کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ نیز سلسلہ ہائے خیال کے اختلاف اور یکسانیت پر نگاہ رکھی جائے۔ اور جو نکات گذشتہ سرمایۂ علم و عقل میں ایزادی کا باعث ہوں انھیں جمع کر کے اس پر غور کیا جائے کہ آخر کیوں ہمارا دماغ اب تک ان حقائق کو جذب کرنے سے قاصر رہا۔

گبن جس نے روما کے عروج و زوال کی تاریخ مرتب کی ہے انگریزی ادب میں غیر فانی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ اپنی خود نوشت سوانح عمری میں اپنے طرزِ مطالعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "کسی نئی کتاب کے سرورق پر نظر ڈالنے کے بعد میں رُک جاتا ہوں اور اس وقت تک مطالعہ نہیں شروع کرتا جب تک اپنی معلومات کا جائزہ نہیں لے لیتا۔ جو اس کتاب کے نفسِ مضمون کے متعلق میرے دماغ میں ہیں۔ اور اس کے بعد میں کتاب کی ہر ایک سطر کو نہایت شوق سے پڑھتا ہوں اور ختم کرنے کے بعد یہ دیکھتا ہوں کہ مصنف نے میرے علم میں کتنا اضافہ کیا ہے؟ بعض اوقات میں یہ محسوس کر کے خوش ہوتا ہوں کہ میں نے کچھ نہ کچھ حاصل کر لیا ہے اور بعض اوقات میں افسردگی کے ساتھ یہ کہہ اٹھتا ہوں کہ افسوس! محنت ضائع گئی۔"

مطالعہ کا یہ طریقہ نہایت عمدہ ہے۔ مگر ایک اور دشوار طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر نئے خیال کے لئے پہلے اس کی موزوں جگہ تلاش کی جائے۔ فرض کرو ایک آدمی دو کتابیں پڑھتا ہے۔ ایک درختوں کی کاشت پر اور دوسری شہری زندگی کی بابت۔ اور اب اگر وہ پت جھڑ اور حفظانِ صحت کے تعلق کو نہیں سمجھ سکا تو اس کے سوائے اور کیا کہا جائے گا کہ اس نے پہلی کتاب کے واقعات کو ذہن میں محفوظ نہیں رکھا۔ اس لئے دوسری کتاب سے اخذ کردہ خیالات کے ساتھ یکجا نہیں کر سکا۔ اس مشکل طریق کا ایک سب سے زبردست فائدہ یہ ہے کہ اس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیا ہم نے مطالعہ دقتِ نظر کے ساتھ کیا ہے یا نہیں؟ اس مطلب کے لئے ایسی کتابیں ہونی چاہئیں جن میں دُنیا کے بڑے آدمیوں کے تذکرے مذکور ہوں۔ تاریخ اور ڈرامہ بھی بہت ضروری ہیں۔ ادبی تنقید کا بھی کچھ عنصر شامل ہو تو اچھا ہے۔

(رضیہ سلطان۔ کلاس دہم)

صنعت و حرفت کی ضرورت

تاریخ سے ہمیں یہ ثبوت ملتا ہے کہ ہر ایک قوم نے اپنی قوت کو مستحکم کرنے کیلئے تجارت، صنعت و حرفت کی طرف توجہ مبذول کی ہے اگرچہ شروع میں انکی ترقی کی بنیاد ان کے استقلال، سامانِ حرب اور سپہ سالاروں کی اولوالعزمی ہے۔ لیکن اسکو پائیداری اسی وقت نصیب ہوئی جبکہ اس کے صناعوں کی محنت اور کاریگری دوسری اقوام کی ضرورتوں پر غالب آگئی اہلِ انگلستان و امریکہ کی ترقی انکی بحری ہی قوت نہیں ہے۔ دراصل انکی ترقی کا اصل راز یہ ہے کہ اُن کے ہاتھ میں ہنر ہے۔ وہ تجارت اور صنعت و حرفت سے واقفیت رکھتے ہیں۔ ذرا اہلِ جاپان پر ہی نظر کیجئے۔ اس دورِ حاضر میں جس چیز نے انکو تھوڑے ہی عرصہ میں ترقی یافتہ اقوام کے ہمسری نہیں بلکہ مدِ مقابل بنا دیا ہے اسکے سوائے اور کچھ نہیں ہے کہ اہلِ جاپان صناعی میں شہرہ آفاق ہوئے اور اور پھر ترقی کا دوسرا قدم یہ اُٹھایا کہ اپنی کاریگری کو موجودہ زمانہ کے مطابق بنایا۔

آہ! وہ ہندوستان جو کسی زمانہ میں صناعی کا مرکز خیال کیا جاتا تھا اور کوئی ملک ایسا نہیں تھا جو کہ ہمارے ہنرمند کی ہمسری کر سکتا۔ افسوس اب اسی ہندوستان کی یہ حالت ہے کہ دوسروں کی ہنرمندی کا محتاج نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ صنعت و حرفت کو جاہل اور ناقابل آدمیوں کے ہاتھوں پر چھوڑ دیا جو کہ موجودہ زمانہ کی ضروریات سے ناواقف تھے۔ اور صنعت و حرفت کی تعلیم و اشاعت پر کبھی توجہ نہ کی گئی۔

اعلیٰ تعلیم ہمیں افلاطون کا مدِ مقابل کیوں نہ بنا دے لیکن دنیا کے چھپے ہوئے خزانوں کی کلید ہمارے ہاتھ میں نہیں دے سکتی۔ اس لئے اگر ہم اپنے ملک کے خیر خواہ اور اسکی ترقی کے خواستگار ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم صنعت و حرفت کی طرف متوجہ ہوں۔ اگرچہ گورنمنٹ نے ہماری تعلیم کی طرف بہت توجہ کی ہے۔ زنانہ اور مردانہ سکول اور کالج قائم کئے ہیں۔ مگر صنعتی سکولوں کی کمی اور بہت زیادہ ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم یافتہ نوجوان اکثر روزگار کیلئے پریشان نظر آتے ہیں۔ علم و ادب کے لطائف یا علم التواریخ پیٹ نہیں بھر سکتے۔ اور جس کے ہاتھ میں ہنر ہے وہ کبھی بھوکا نہیں رہ سکتا۔ مختصر یہ کہ قوم کی ترقی اُس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک قوم کی غربت دور نہ ہو۔ اور غربت دور کرنے کے لئے صنعتی تعلیم کی از حد ضرورت ہے۔

(رضیہ سلطان کلاس دہم)

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور

(از سرور جہاں ۔ متعلم X)

رابندر ناتھ ٹیگور۔ ایک شاعر ایک فلسفی اور قوم کے ایک بہت بڑے بہی خواہ تھے۔ آپ کی زندگی اس قدر کامیاب مصروف اور کار آمد گزری ہے کہ اگر جلدیں کی جلدیں بھی لکھی جائیں تب بھی حالات مکمل طریقہ سے نہیں لکھے جاسکتے۔

مندرجہ ذیل سطور میں میں نہایت مختصر طریقہ سے ان کی بابت لکھتی ہوں :-

آپ ۷ مئی ۱۸۶۱ء میں دوار کا ناتھ ٹیگور لین میں پیدا ہوئے تھے۔ آٹھ نو سال کی عمر میں آپ نورمل سکول میں تعلیم پاتے تھے۔ اور اسی عمر سے انہوں نے اپنی شاعری سے دنیا کو فیض پہنچانا شروع کر دیا تھا۔ دس سال کی عمر میں ایک اینگلو انڈین اسکول میں داخل کرا دیئے گئے۔ لیکن بچے ہندستانی کو مغربی تہذیب کچھ پسند نہ آئی۔ اور اکثر اسکول جانے سے انکار کرتے تھے۔

۱۲ برس کی عمر میں بول پور کے نزدیک ہی ایک جگہ شانتی نکیتن گئے یہ جگہ ان کے والد نے ایک آشرم بنانے کی غرض سے خریدی تھی۔ یہاں انہوں نے اپنی دو ایک بنگلا کی نظمیں لکھیں۔

۱۸۷۴ء میں کلکتہ کی واپسی پر ان کو سینٹ واکیر اسکول میں داخل کیا گیا۔ تقریباً اسی دوران میں انہوں نے Machelta کا بنگلا میں ترجمہ کیا۔ ۱۸۷۵ء سے انہوں نے بنگلا رسالوں میں با قاعدگی سے اپنی نظمیں اور مضامین دینے شروع کئے۔

۱۸۷۶ء میں ہندو میلہ کے موقع پر انہوں نے دہلی دربار پر ایک ہجو لکھی اور خود ترنم سے پڑھی۔ اور کچھ عرصے بعد انہوں نے اپنی قابلیت کا ثبوت Anglo-Sexons and their literature English Ma جیسے مضامین اور Beggar maid جیسی نظمیں لکھ کر دیئے۔

۱۷ سال کی عمر میں اپنے بھائی کے ساتھ انگلینڈ گئے۔ اور یہاں لندن کے یونیورسٹی کالج میں داخل ہوئے۔ اسی دوران میں وہاں کے بہت سے قابل نامہ نگاروں سے ملے۔ وہ یہاں سے بھی کئی بنگلا کے رسالوں کے لئے مضمون لکھا کرتے تھے۔

۱۸۸۰ء میں آپ ہندوستان واپس آئے اور حالانکہ بظاہر انہوں نے کوئی خاص کورس پورا نہیں کیا۔ مگر بہت سے وہ نئے خیالات لائے جنھوں نے ان کے شاعرانہ دماغ پر ایک خاص اثر کیا اور آئندہ کے کلام میں مدد ملی۔ واپسی کے دوسرے سال بعد ۲۰ سال کی عمر میں انہوں نے ایک

ANGLO-ARABIC GIRLS HIGH SCHOOL, DELHI.

شاعر ہند رابندر ناتھہ ٹیگور

زندگی مشہور لوگوں کی سبق دیتی ھے یہ
شاندار ھم خود بنا سکتے ھیں اپنی زندگی

بہت اچھا ڈرامہ لکھا اور اس میں ہیرو کا پارٹ خود ادا کیا
یہ ڈرامہ بہت ہی مقبول ہوا۔ انھوں نے صرف ڈرامہ نویسی
پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ مختلف موضوع پر تقریریں کیں ۔
اور ہر تقریر بہت پسند کی گئی ۔

کچھ دن بعد ان کے خاندان کے لوگوں نے ان کو دوبارہ
ولایت جاکر تعلیم مکمل کرنے کیلئے مجبور کیا ۔ یہ تہرہ دولیش
بر جان مد ویش کے بموجب راضی تو ہو گئے ۔ مگر مدراس
پہونچنے کے بعد آگے جانے کو طبیعت نے بالکل گوارا نہ
کیا۔ اور واپس لوٹ آئے اور پھر اپنا وہی کام شروع کر دیا
اور بہت سی نظمیں لکھیں مثلاً (The YoungQueens
Market) وغیرہ لکھیں اس وقت ان کی عمر ۲۱ سال کی
تھی۔ اور انہوں نے مشہور نظم (Awakening of The
Fountain) لکھی۔ دوسرے سال کاروار گئے اور کئی
ڈرامے اور نظمیں لکھیں۔ اس سال ان کی شادی مرینالنی دیوی
سے ہوئی۔ اس کے بعد ان کی بھاوج کا انتقال ہو گیا۔ اور
انھیں زبردست صدمہ ہوا اور اس کا اثر ان کے دماغ پر
یہ ہوا کہ طوفان کی طرح تیز رفتاری سے سینکڑوں مضامین
اور نظمیں انہوں نے لکھ ڈالیں۔ Browning Banet
Elizabet Shelly اور دوسرے کئی اور شاعروں کے کلام
کا ترجمہ کیا۔ اسی دوران میں انہوں نے نلنی کا ڈرامہ بھی لکھا۔

سنہ ۱۸۸۵ء میں انہوں نے انڈین نیشنل کانگریس
کے جلسہ میں حصہ لیا۔ دوسرے سال ان کے والد نے
ان کے نام شانتی نکیتن کی جائداد کر دی۔ اُن کا بڑا لڑکا اسی
سال پیدا ہوا۔ اور اسکے فوراً ہی بعد انہوں نے "تسمانی"
ڈرامہ لکھا اور اس کو ادا بھی کیا گیا۔ انکو ٹیگور کی ریاست کا منیجر
بنا دیا گیا۔ اور انہوں نے Cloud messenger
لکھی اسی سال انہوں نے اٹلی فرانس اور انگلینڈ کا دورہ
کیا۔ واپسی پر وہ شیبدہ رہنے چلے گئے اور یہاں اپنے
کام کے دوران میں کسانوں اور مزدوروں سے نزدیک رہنے
کا موقع ملا۔ دوسرے انہوں نے اپنی یورپ کے دورہ کی
ڈائری اور چند نظمیں لکھیں ۔

اب وہ بنگال کے زندہ شاعروں میں بہترین شاعر مان
لیا گیا۔ اور اس بات پر مجبور کیا گیا کہ وہ اپنا ذاتی رسالہ نکالے
چنانچہ "سدھانہ" جاری کیا گیا۔ جو کہ بہت ہی مقبول عام
ہوا۔ اسی دوران میں انہوں نے "چترن گادھا" ڈرامہ
کے لکھنے کا بھی وقت نکال لیا۔ اور جو کہ اُن کی بہترین کتابوں
میں سے ایک کتاب مانی گئی خصوصاً اس کا انگریزی کا ترجمہ سنہ ۱۹۱۴ء
سے ۱۸۹۰ تک وہ اپنی پرائیوٹ کاموں میں بہت مصروف
رہے۔ لیکن اس مصروفیت کے باوجود بھی بہت سے نظمیں
ڈرامے لکھے۔ جو کہ بہت مقبول ہوئے۔ اس کے بعد انہوں
نے رفاہ عام کے سلسلے میں پولٹیکل معاملات میں خاص حصہ لیا
سنہ ۱۹۰۰ء اور سنہ ۱۹۱۰ء میں پھر مسلسل نظمیں اور مضامین
لکھے جن سے موجودہ زمانے کی پولیٹکل سوشل اور اقتصادی
حالات سے حقارت ظاہر ہوتی ہے۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں انہوں
نے اپنے خاندان کے ساتھ شانتی نکیتن میں رہنے کا فیصلہ
کیا اور شانتی نکیتن سکول قائم کیا۔ اور لڑکوں کو خود پڑھانا
شروع کیا اور بہت جلد اس طرح کے بہت سے اُستاد
جمع ہو گئے۔ جو کہ اسکول کے لئے اپنی زندگی قربانی
کرنے کو تیار تھے۔ لیکن چونکہ اسکول میں مُفت تعلیم
دی جاتی تھی۔ اسلئے بہت جلد روپیہ کی کمی محسوس ہونے

گی۔ اور ان کو اپنی جائداد فروخت کرنی پڑی۔ اس کے بعد
انہوں نے Politics میں حصہ لیا۔ اور ہندوستان کی
بہتری کے لئے بہت کچھ تدبیریں کیں۔ مگر ہمعصروں کی
نکتہ چینی سے تنگ آکر Politics سے بالکل بے
غرض رہنے کے ارادے سے دوبارہ شانتی نکیتن واپس
آگئے۔ اس واقعہ کے بعد انہوں نے پھر نظمیں ڈرامے اور
مضامین لکھے۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے قرب وجوار کے
گاؤں میں اتحاد قائم کرنے کی کوشش کیں۔ اس عرصہ
میں ان کی نظموں اور مضامین کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا۔
کچھ عرصہ بعد انہوں نے قومی گیت "جانا گانا وانا" لکھا
اور "پوسٹ آفس" ڈرامہ لکھا۔ اس کے بعد یہ تیسری
مرتبہ پھر انگلینڈ گئے اور وہاں ان کو اس زمانے کے تقریباً
تمام بڑے بڑے شعرا اور نامہ نگاروں سے ملنے کا موقعہ ملا۔
اور ان کے کلام کو بہت پسند کیا گیا۔ انہوں نے یونیورسٹیوں
میں لکچر دیئے۔ اور ان کے مضامین اور تقریریں کتابوں کی
صورت میں لکھ کر چھاپی گئیں۔ اور ستمبر ۱۹۱۳ء میں ہندوستان
واپس آئے۔ اور نومبر میں نوبل پرائز ملا۔

۱۹۱۴ء میں رابندر ناتھ ٹیگور کو اس بات سے
بڑی خوشی ہوئی کہ گاندھی جی ان کے شانتی نکیتن اسکول
کو دیکھنے گئے۔ اور انہوں نے ٹرانسوال کے (Pheonix
School) کے طلبا اور اساتذہ کو مستقل طور پر شانتی نکیتن
میں رہنے کیلئے بھیج دیا۔ اسی سال ٹیگور کو نائٹ کا خطاب ملا۔
دوسرے سال آپ امریکہ میں قومیت پر لیکچر دینے
گئے۔ ۱۹۱۷ء میں انہوں نے کانگریس کے جلسے میں حصہ لیا
اور نظم ہندوستان کی دعا پڑھی۔

اس سال انہوں نے پھر کئی ڈرامے لکھے۔ مثلاً
Oly Reminiscences Sacirfice-
Nationalisui وغیرہ۔

اپنی زندگی کے اس سال کو وہ خود بہت اہمیت دیتے
ہیں کہ اس سال انہوں نے وشیا بھارتی یونیورسٹی کی بنیاد
ڈالی۔

۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ کے سلسلہ میں انہوں نے
کافی حصہ لیا اور نائٹ کا خطاب واپس دے دیا ۱۹۲۱ء
اور ۱۹۲۲ء میں انہوں نے تمام ہندوستان کا دورہ کیا اور
آزادی کے متعلق تقریریں کیں ۱۹۲۴ء میں وہ چین اور
جاپان گئے۔ اس کے دوسرے سال وہ اٹلی گئے اور یہاں
مسولینی نے ان کا خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد اپنے قائم
کردہ سکول کیلئے چندہ جمع کرنے کے لئے مضامین لکھے۔
تقریریں کیں اور دوسرے ملکوں میں سفر کرتے رہے۔
انہوں نے ملایا۔ کنیڈا۔ جاپان۔ ہندچینی۔ وغیرہ کا سفر کیا
۱۹۳۰ء میں انہوں نے بہت جوش وخروش کے ساتھ
پینٹنگ کا کام شروع کردیا اور اُن کا یہ کام فرانس میں خاص طور پر
سراہا گیا۔ اس سال فرانس جانے کے بعد یہ لیکچر دینے کیلئے
انگلینڈ گئے اور انگلینڈ سے پھر جرمنی گئے اور وہاں بھی متعدد
لیکچر دیئے۔ بعد میں روس گئے جہاں کے لیڈروں نے آپ کا
بہت عزت سے خیر مقدم کیا۔ یہاں انہوں نے کارخانہ جات
اور دستکاری کے اسکول دیکھے۔ اور نئے نظام کے ماتحت آئے
دیکھ کر بہت خوش ہوئے رُوس سے امریکہ گئے۔ اور پھر یہاں
سے ہندوستان واپس آگئے۔ ۱۹۳۲ء میں فارس گئے
اور شاہ نے بڑی عزت سے خیر مقدم کیا۔ ۱۹۳۴ء کے بعد میں

انہوں نے مستقل طور پر شانتی نکیتن میں رہنا شروع کردیا۔ کبھی کبھی بعض رسائل میں مضامین دیا کرتے تھے۔ خاص خاص ملاقاتیوں سے ملاقات کیا کرتے تھے۔ اور ملک کی بہبودی میں کوشاں رہتے تھے۔

گذشتہ سال بہت سخت بیمار ہوئے۔ مگر پھر خدا نے ملک کو اُن سے ایک سال اور مستفید ہونے کا موقع دیا۔ آخر کار اسّی سال تین ماہ کی عمر میں ۷ اگست ۴۱ء کو ۱۲ بجکر تیرہ منٹ پر اللہ کے پیارے ہوگئے۔ اور ہندوستان کو شانتی نکیتن جیسا نایاب ادارہ ورثے میں دے گئے۔ مگر آئندہ کے لئے نئی اور تازہ مدد سے ہندوستانیوں کو ہمیشہ کے لئے محروم کرگئے۔

سرور جہاں متعلم X

ہماری تعلیم

لڑکیوں کی تعلیم ایک ایسا مضمون ہے جس پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ مگر یہ شاید لڑکیوں کی بدقسمتی ہے کہ آج تک کسی نے اس "پیچیدہ گتھی" کو سلجھانے کی کوشش نہیں کی۔ اکثر حضرات تعلیم نسواں سے اس حد تک بیزار ہوئے کہ انہوں نے اسکی خوبیوں کو بھی برائیوں میں تبدیل کردیا جن حضرات نے اس مضمون میں دلچسپی لی اور تعلیم نسواں کی حوصلہ افزائی فرمائی انہوں نے اسکی خوبیوں کو بھی برائیوں میں تبدیل کردیا۔ جن حضرات نے اس مضمون میں دلچسپی لی اور تعلیم نسواں کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ انہوں نے معیار تعلیم پر کچھ زیادہ روشنی نہیں ڈالی۔ لڑکیوں کی تعلیم کے بارے میں اکثر والدین ذرا بھی دلچسپی نہیں لیتے اور اسے اکثر ایک غیر ضروری چیز قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس بے اتفاقی کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ لڑکیوں نے ملازمت تو کرنی ہی نہیں! اے کاش وہ جان سکتے کہ تعلیم ان کے لئے اتنی ہی ضروری ہے۔ جتنی غذا یا ہوا۔ اگر ایک لڑکی بغیر ان چیزوں کے زندہ رہ سکتی ہے تو یقیناً وہ زندہ نہیں مُردہ ہے یا شاید مردہ سے بھی بدتر ہے تعلیم کے بغیر ایک انسان نابینا کی مانند ہے۔ جو ٹھوکریں کھاتا ہوا آگے بڑھ تو جاتا ہے۔ مگر ہر ایک نئی شاہراہ پر مدد کا خواستگار ہوتا ہے۔ اور یہ صدا لگاتا ہے۔ "آنکھیں بڑی نعمت ہیں" اور اسی طرح ایک تعلیم سے بے بہرہ انسان زندگی کی شاہراہ پر ٹھوکریں کھانے کے بعد چلاتا ہے " تعلیم بڑی نعمت ہے"

موجودہ زمانے میں جن حضرات نے تعلیم نسواں کی طرف توجہ دی انہوں نے اکثر تعلیم کے متعلق یہ غلط رائے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایک بی اے اور ایم اے تعلیم یافتہ کہلا سکتا ہے۔ اور سوسائٹی میں ایک تعلیم یافتہ لڑکی اسے کہا جاتا ہے جو انگریزی میں اچھی طرح گفتگو کرسکے گویا انگریزی ہی ان کے نزدیک معیار تعلیم ہے۔ اور اس تعلیم کی جستجو میں وہ اکثر اخلاقی تعلیم سے گرجاتے ہیں۔ اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے کہ لڑکیاں انگریزی تعلیم حاصل کریں وہ بچپن سے اپنی لڑکیوں کو انگریزی سکولوں میں داخل

کر دیتے ہیں جہاں کی فضا ان کی ہندوستانی فضا سے
بالکل مختلف ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں لڑکیاں اپنے مذہب
اور فرائض کو بھول کر انگریزی تہذیب و تمدن میں گرمجوشی سے
حصہ لینے لگتی ہیں۔ اور چونکہ وہ ان کے صحیح مفہوم سے واقف
نہیں ہوتی ہیں۔ لہذا وہ اکثر ایسی اخلاقی غلطیوں کا شکار ہو
جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے عامۃ الناس میں تعلیم کے خلاف بیج
بویا جاتا ہے۔ اور وہ تعلیم کے خلاف صدائے احتجاج بلند
کرتے ہیں۔ لیکن کاش وہ سمجھ سکتے کہ یہ تعلیم کا نہیں بلکہ طریقہ
تعلیم کا قصور ہے اور اس کے ذمہ داران کے سرپرست ہیں۔
جنہوں نے انہیں انگریزی اور غیر مذہبی سکولوں میں داخل کر کے
اور مذہبی اور دیگر ضروری تعلیم سے محروم رکھ کر غلط راستہ پر گامزن
کیا ان حضرات کو چاہئے کہ لڑکیوں کو ایسے سکولوں میں داخل
کرنے سے پیشتر ان کی آیندہ انقلاب زندگی کے متعلق سوچ
لیں۔ لڑکی کی زندگی میں وہ انقلاب جب وہ اپنی ہستی کو کھو کر
دوسری ہستی اور دوسری دنیا میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ نہایت
اہم اور نازک ہے اور تعلیم کا مقصد اُسے اِس انقلاب کیلئے
تیار کرنا ہے۔ یقیناً یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا امتحان ہے
اور اس میں اس کی کامیابی اس کی زندگی کا راز ہے۔ اور اس
میں کامیابی کیلئے ضروری ہے کہ لڑکیوں کو مذہبی اور امور
خانہ داری کی تعلیم دی جائے۔

انگریزی سکولوں میں مذہبی تعلیم کا عنصر بالکل معدوم
ہے۔ حالانکہ ہمارا دین ہی حقیقت میں ہماری دنیا بناتا ہے۔
اس کے علاوہ انگریزی سکولوں میں امور خانہ داری کی طرف بالکل
توجہ نہیں دی جاتی۔ یہاں سائنس اور اقلیدس کے فارمولے
تو از بر یاد کرائے جاتے ہیں۔ مگر وہ چیز جوان کی زندگی کی مصروفیتوں
کا مرکز ہے۔ اسے بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ تعلیم کا یہ مقصد
ہے۔ کہ لڑکی اپنی آیندہ زندگی کی ذمہ داریوں کو اچھی طرح سے
جان لے۔ لیکن۔ اگر وہ بی اے اور ایم اے کی ڈگریاں حاصل
کرنے کے بعد بھی اپنے گھر کی خوش اسلوبی سے پرداخت نہیں
کر سکتی تو اس کی وہ تمام تعلیم بیکار ہے۔ اور وہ کبھی بھی اپنے
گھر کو صحیح معنوں میں "گھر" نہیں بنا سکتی۔ اور وہ کبھی بھی
اپنی زندگی میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اس کامیابی کو حاصل
کرنے کے لئے ضروری ہے کہ لڑکیاں مذہبی اور امور خانہ داری کی
تعلیم حاصل کریں۔ لہذا میں ان حضرات کی خدمت میں عرض
کرنا چاہتی ہوں جو اپنی لڑکیوں کو انگریزی اور غیر مذہبی سکولوں
میں تعلیم دلاکر اس تعلیم سے محروم رکھتے ہیں۔ جو کہ ایک لڑکی کی
زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے ازحد ضروری ہے۔ ان حضرات
کو چاہیئے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو ایسے مذہبی اور مسلم سکولوں میں
داخل کریں جہاں انگریزی فارسی وغیرہ کے علاوہ مذہبی اور
امور خانہ داری کی تعلیم بھی دی جاتی ہو۔ تاکہ دینوی اور بنیادی
دونوں تعلیموں سے فیضیاب ہو کر قوم کیلئے باعث فخر ہستیاں
ثابت ہوں۔

بہترین طالبہ علم

کون ہے ؟ ہمارے سکول کے نقطۂ نظر سے وہی جو

(۱) اسکول میں تفریح کے لئے نہیں بلکہ تحصیل علم کے لئے آتی ہے۔
(۲) جس کے کپڑوں سے سادگی اور جسکی گفتگو سے علم و اخلاق ظاہر ہوتا ہے
(۳) اخلاق و شرم و حیا کے زیور سے آراستہ ہے۔
(۴) جو نماز روزہ پابندی سے ادا کرتی ہے۔
(۵) جو استانیوں کا ادب کرتی ہے اور فتنہ و فساد سے دور رہتی ہے۔

گُلِ خوش رنگ

سے خطاب

باغبانِ قدرت نے چمن ہستی کے ترتیب کے وقت گل خوش رنگ کے بنانے میں اپنے اعلیٰ درجہ کی دستکاری کا نمونہ دکھایا ہے۔ سادگی اور لطافت ملکر نیچر نے گل خوش رنگ میں وہ دلفریبی پیدا کردی ہے۔ کہ قدردانِ بزم قدرت بُلبُل سے زیادہ اسکی قدر کرتے ہیں۔ کارکنان بہارِ اعلیٰ کو سادگی اس درجہ پسند ہے کہ ہر وہ چیز جس میں حضرت انسانی کی کانٹ چھانٹ کرنے والا ہاتھ نہیں پہنچا ہے۔ زیورِ سادگی سے آراستہ نظر آتی ہے۔ خصوصاً پھولوں کی سادگی میں دلفریبی کی کچھ ایسی ادائیں نکلتی ہیں کہ خواہ مخواہ دل لوٹ جاتا ہے۔ واقعی پھول نہایت ہی خوش نما ہر دل عزیز ہے۔ کونسا دل ہے جس میں اس کی محبت کی بو نہیں ہے۔ کونسی آنکھ ہے جو گل خوش رنگ کو للچائی ہوئی نظر سے نہیں دیکھتی محفل عشرت میں باعث رونق ہے تو یہی گُل خوش رنگ بزم ماتم میں ہے۔

تو وہاں بھی مرجھائے ہوئے دو چار پھول کسی حسرت نصیب تربت پر اپنے پژمردہ صورت سے ہراس طرف سے نکلنے والے کے دل پر قیامت کا اثر دکھاتے ہیں۔ رندانِ تر دامن خرابات میں بیٹھے ہوئے بری صُحبت کے نمونے دکھا رہے ہیں۔ تو یہ وہاں بھی موجود ہے میکش پیر مغاں کی خدمت میں بیٹھا ہوا بادہ گلرنگ اڑا رہا ہے۔ تو یہ وہاں بھی حاضر ہیں۔

بے حس زاہد اگرچہ مسجد کے حجرے میں اگرچہ معتکف ہو گیا ہو مگر کبھی صحن مسجد کے کسی گوشے میں دو چار کھلے ہوئے پھولوں کو دیکھ کر بیتاب ہو جاتا ہے۔ وہ تارک الدنیا فقیر جیسے قدرت کے عجائبات کو ناقدری کے سپرد کر کے پہاڑ کے دامن میں اپنا جھونپڑا چھا لیا ہے۔ اگرچہ یہ سب زیادہ بے کیف معلوم ہوتا ہے۔ مگر دیکھئے تو گل خوش رنگ کے دو چار درخت اس کی جھونپڑی کے آگے ضرور ہوں گے۔ جنکی نازک نازک شاخوں پر پھول کھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

سچ پوچھئے تو پھول ہر دل عزیز چیز ہے۔

مردوں کے گلے کا طوق آرزو ہے تو عورتوں کا سنگھار شوخ طبع بلبل کا مطلوب ہے۔ تو حق سترہ کہنے والی فاختہ کا محبوب حاملانِ عرش کا شمع افروز ہے۔ تو فریب پروانوں کا جگر سوز۔ آسماں پر جھلملاتے ہوئے تارے۔ محفل عشرت کی شمع روشن بحسرت نصیب بیوہ کا لاڈلا بچہ۔ کنج تنہائی کا ٹمٹماتا ہوا چراغ۔ اسلامی دنیا کے نوجوان طلبا۔ اگر غور دیکھئے تو سب گل خوش رنگ ہی ہیں۔ اے گل خوش رنگ تو تو مجھے بہت ہی پسند اور عزیز ہے۔

تیری موہنی صورت جس قدر مجھ کو پیاری معلوم ہوتی ہے میں بتا نہیں سکتی۔

مگر افسوس کہ تجھ میں بے وفائی انتہا سے زیادہ پائی

جاتی ہے۔

کاش تجھ میں کبھی قدر بوئے وفا بھی ہوتی تو کیا اچھا ہوتا۔

عروسان چمن یعنی پھولوں کے حسن کے بے بہا جلوے اگر دیکھنے منظور ہوں۔ تو صبح کے وقت دیکھئے۔ جس وقت خم گردوں سے مقطّر کئے ہوئے پانی (شبنم) سے وہ اپنا پیارہ چہرہ دھوکر نونہالان گلشن کی شاخ تمنا بہ گل مراد بن کر نمودار ہوتے ہیں۔ جن لطیف مزاجوں کو پھولوں سے محبت پڑ جاتی ہے۔ تو وہ فراق گل میں بلبل سے زیادہ نالہ کشی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

بنت محمد طاہر مرزا
کلاس ہفتم

سلطانہ رضیہ

اس سے پیشتر کہ سلطانہ رضیہ کے متعلق کسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا جائے۔ یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ یہ بتایا جائے کہ یہ کس خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور کس کی چشم و چراغ تھی۔

سلطانہ رضیہ خاندانِ غلامان سے تعلق رکھتی تھی اور بادشاہ التمش کی نور نظر تھی۔ سلطانہ رضیہ صرف خوبصورتی ہی میں بے مثال نہ تھی بلکہ ہر فن مولا تھی۔ اگرچہ سلطانہ رضیہ کے کئی بھائی تھے۔ مگر جو محبت التمش کو اس سے تھی اور کسی اولاد کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ اسکی بے نظیر خوبصورتی نہ تھی بلکہ اس کی قابلیت تھی۔ جب کبھی التمش جنگ پر جاتا تو وہ ہمیشہ رضیہ ہی کے سپرد امورِ سلطنت کیا کرتا تھا یہ اس کا ثبوت ہے کہ رضیہ میں سلطنت کرنے کا مادہ قدرت نے اپنے فیاض ہاتھوں سے کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ ہر ایک بشر اس کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔ التمش کی وفات کے بعد سلطانہ رضیہ تخت پر جلوہ افروز ہوئی مگر آہ! اس کی قسمت نے اسکا ساتھ چھوڑ دیا۔ اراکین دولت ہرگز یہ برداشت نہ کر سکے کہ وہ صنف نازک کے ماتحت رہ کر زندگی بسر کریں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ ہستی جس کو وہ ہمیشہ محکوم خیال کرتے تھے اب ہزاروں حاکموں (مردوں) پر حکمران ہو۔ چنانچہ اس کو تخت سے محروم کر دیا گیا۔ اور اس کا بھائی تخت کا وارث بنا۔ مگر امورِ سلطنت عمدگی سے درکنار ذرّہ برابر بھی سنبھالنے کی اہلیت نہ رکھتا تھا۔ چنانچہ سب نے متفقہ طور پر دوبارہ سلطانہ رضیہ کو تخت پر جلوہ افروز کیا سلطانہ رضیہ سلطنت کا ہر کام بذاتِ خود انجام دیتی۔ ہر مقدمہ کا فیصلہ خود کرتی۔ اپنے دشمنوں سے نہایت بہادری سے لڑتی۔ مگر یہ سب کام مردانہ لباس میں ملبوس ہو کر پایۂ انجام تک پہنچاتی۔ اس سے اراکین دولت اس کے مخالف ہو گئے مگر سلطانہ رضیہ کی بدقسمتی ابھی تک اسکی رہبری کر رہی تھی۔ سلطانہ رضیہ ایک یاقوت نامی غلام پر مہربانی کا سلوک کرنے لگی۔ امراء کو موقعہ ہاتھ آیا اور انہوں نے معہ اس کے شوہر

التونیہ کے اس کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ اس طرح ہندوستان کی مایہ ناز ہستی دنیا کو سونا کر گئی۔ اور سلطانہ رضیہ کی پاک اور قابل ہستی سے خاندان غلاماں ہمیشہ کے لئے ہاتھ دھو چکا۔ جس طرح چیل گوشت پر منڈلاتی ہے۔ بعینہ اسی طرح غلامان خاندان کی بدقسمتی اور زوال بری طرح منڈلا رہا تھا۔ آخر کار وہ دن آپہنچا کہ خاندان غلامان چراغ سحری کی طرح ہچکیاں لیتے ہوئے ملکِ عدم کو سدھارا۔ اگر سلطانہ رضیہ کو تخت سے محروم نہ کیا جاتا اور ارکینِ دولت اس کی مخالفت نہ کرتے تو ان کو کبھی یہ منحوس دن نہ دیکھنا پڑتا۔ سلطانہ رضیہ قابل تھی مگر اسکا عورت ہونا اس کے لئے سَم ثابت ہوا۔ گویا اس کا قصور تھا وہ ملزم بنی کہ وہ "عورت" کیوں ہے۔ ہندہ اپنی قسمت پر جتنا ناز کرے وہ کم ہے۔ کیسی کیسی ہستیاں اس سر زمین میں پیدا ہوئیں اور اسی میں جذب ہو کر رہ گئیں۔ سلطانہ رضیہ کی بھی وُہ ہی ہستی تھی کہ ہند اسپر ناز کرے کہ کسقدر قابل قدر ہستی اسکی سرزمین میں پیدا ہوئیں اور ہمیشہ کیلئے اپنا نام تاریخ میں سُنہرے حرفوں میں کندہ کرا گئی۔ رضیہ سلطانہ کلاس دہم

چاند بی بی

یوں تو مسلمان شہزادیوں کے نام صفحہ تاریخ پر اب تک جگمگاتے ہیں۔ اور جگمگاتے رہیں گے۔ لیکن چاند بی بی جیسی ملکہ کی ثانی کوئی نہیں۔ یہ وہ مشہور ملکہ ہے جس نے اکبر بادشاہ کی فوج کے دانت کھٹے کئے اور احمد نگر کو تباہی و بربادی سے بچا کر اپنی بہادری دجاں نثاری اور اپنی سرفروشی کا سکہ انسانوں کے دلوں پر بٹھایا۔ یہ ملکہ احمد نگر کے شاہی خاندان سے تھی۔ اور اس کی شادی شاہ بیجاپور سے ہوئی۔ مگر ابھی اس کی عمر پچیس سال کی بھی نہ ہوئی تھی کہ ایک آفت ناگہانی نے آگھیرا۔ یعنی اس کا سرتاج وفادار رفیق کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اس وقت ملک کے اندر جس بدنظمی اور افرا تفری کا دَور دَورہ ہُوا۔ اِسکا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ چاروں طرف سے تخت کے دعویدار پیدا ہو گئے۔ آخر امراؤ وزرا کی تجویز سے ابراہیم ستو نی کا بھتیجہ تخت نشین ہُوا۔ ابراہیم شاہ گو بادشاہ تھا۔ لیکن سلطنت کے تمام اختیارات چاند بی بی کو حاصل تھے جب ابراہیم سن بلوغ کو پہنچا تو سلطنت کے تمام کاروبار سپرد کر کے چاند بی بی احمد نگر کو سدھاری کیونکہ احمد نگر کا بادشاہ لڑائی میں قتل ہو گیا تھا۔ خانہ جنگی ان تمام خانہ جنگیوں کا انتظام کر لیتی مگر اکبر بادشاہ مدت سے احمد نگر پر خار کھائے بیٹھا تھا۔ اُسنے اِس بدنظمی کو غنیمت جان کر احمد نگر پر چڑھائی کر دی۔ ان دنوں اکبر کی فوج سے تمام دشمنوں کی جان لرز گئی تھی۔ مگر اس نیک ملکہ نے ہمّت نہ ہاری۔ خود چہرہ پر نقاب ڈال کر اس طرح مُقابلہ کیا کہ اکبر نے منہ کی کھائی۔ وہ نیک اور عالی ہمّت ملکہ جسپر رعایا جاں نثار تھی جلد ہی دغا بازی کا شکار ہوئی۔ شاہی فوج کے رخصت ہوتے ہی احمد نگر کے امراؤ وزرا میں فساد شروع ہو گیا۔ اکبر نے اس موقع کو بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ایکسال ہی میں خان خاناں اور دانیال

جرار لشکر دے کر دکن کی تسخیر کو روانہ کیا۔ چاند بی بی نے اب پھر پہلے کی طرح بڑے کر و فر سے مقابلہ کی تیاری کی۔ لیکن افسوس کہ وہ ناکام رہی۔ کیونکہ حامد خاں خواجہ سرا جس کو اس نے بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔ اور جو اس وقت فوج کا افسر تھا۔ بڑا مکار اور فریبی ثابت ہوا۔ وہ اکبر کی فوج سے مل گیا۔ چاند بی بی نے حامد خاں کو بلوا کر پوچھا۔ کیا میری فوج لڑنے کو تیار ہے۔ دغاباز حامد خاں نے جواب دیا۔ بیشک۔ لیکن آپ پہلے کی طرح بذات خود کمال کریں۔ "چاند بی بی نے آہ سرد بھر کر کہا" اے حامد خاں میں احمد نگر پر اپنی جان قربان کر سکتی ہوں مگر افسوس بعض لوگوں کی دغابازی نے کام خراب کر دیا۔ اس وجہ سے فتح کی امید نہیں۔ کیوں بے فائدہ خونریزی کی جائے۔ حامد خاں کو سنکر خیال ہوا کہ میری پوشیدہ مکاری کا راز فاش ہو گیا ہے۔ اور اب جان کی خیر نہیں۔ بدحواس ہو کر میدان میں جہاں فوج قواعد کر رہی تھی دوڑا گیا۔ اور چیخنا شروع کیا۔ "ہائے غضب ہو گیا ملکہ چاہتی ہے کہ ہار مان لی جائے۔ ہائے احمد نگر کی عزت خاک میں مل گئی۔ یہ سن کر تمام فوج آگ بگولہ ہو کر اپنی ننگی تلواریں لے کر محل میں گھس گئی۔ اور اس نیک اور عالی صفات ملکہ کو تہ تیغ کر ڈالا۔

محمودہ تنویر کلاس نہم

درِ شہوار

1۔ دنیا میں قدم قدم پر ناامیدیوں اور ناکامیوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ انسان کو اس کے مقابلہ کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہئے۔

2۔ کائناتِ عالم کا ہر وجود ناقص ہے۔ اس لئے کسی بشر سے کمال کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔

3۔ ہر ایک سے اس کے مزاج کے موافق سلوک کرو۔

4۔ دوسروں کے غم میں ہمدردی اور شادی میں مسرت کا اظہار کرو

5۔ غصہ میں جلد بازی سے کام نہ لو اور استقلال کو کبھی ہاتھ سے نہ دو۔

6۔ دوسروں کو خوش کرنے کے لئے حتی الامکان کوشش کرو

7۔ زندگی کا پر مسرت نظریہ قائم کرو۔

8۔ بڑوں سے ادب اور چھوٹوں سے مہربانی سے پیش آؤ۔

9۔ نوکروں پر سختی نہ کرو بلکہ لطف و کرم سے کام لو

10۔ دوسروں کی خوبیاں جب بھی ہو سکیں بیان کرو۔ عیب جوئی اس وقت کرو جب اس کی اصلاح کے لئے ضرورت پڑے۔

11۔ غصہ کا جواب نرمی سے دو۔

12۔ دوسروں کے قصور سے درگذر کرو۔ غلطی ہر انسان سے ہوتی ہے

13۔ اپنی خوشی میں دوسروں کو شریک کرو۔

14۔ انسان اپنی قسمت خود آپ بناتا ہے۔

15۔ جو کچھ ملے اس پر قناعت کرو۔ چند روزہ زندگی کیلئے ہوس نہ چاہئے۔

16۔ ہر سانس انسان کی عمر کو گھٹاتا اور موت کو قریب لاتا ہے۔

17۔ زندگی ایک بڑا تحفہ ہے۔ اسے غم میں ضائع نہ کرو۔ کسی سے کوئی راز ظاہر کرنا اور یہ کہنا کہ کسی سے نہ کہنا اول درجہ کی حماقت ہے۔

رُسُومات

رسومات عموماً دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک تو رسوم مذہبی۔ دوسرے رواجی۔ رسوم مذہبی سے مراد وہ رسوم ہیں جن کو کسی مذہب کے شارع نے اپنے مذہب کے پیرووں کیلئے تجویز کیا ہو۔ یہ رسومات شریعت کے لحاظ سے ہوتی ہیں اور کسی صورت میں بھی نقصان دہ نہیں ہوتیں۔ کیونکہ شارع جب کچھ احکام صادر کرتا ہے اسمیں اس بات کو مد نظر رکھتا ہے کہ اس کے احکام سے خلق اللہ کو تکلیف نہ پہنچے۔ اور امیر و غریب سب اس کو آسانی سے بجا لائیں۔

دوسری قسم کی رسومات یعنی رواجی، وہ رسومات ہیں جو کسی قوم یا فرقے کے لوگوں نے کسی مصلحت سے ایک خاص موقع پر شروع کر دی ہوں اور وہ زمانے کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی جاتی ہیں۔ اور یہ لوگوں کے دلوں پر اس قدر حاوی ہو جاتی ہیں کہ مذہبی رسومات سے بھی سبقت لے جاتی ہیں۔ کسی فرقہ میں یہ رواج ہے کہ اپنے لڑکے یا لڑکی کی شادی سے پہلے کنبے والوں کو دعوت دے۔ اس طرح اس فرقہ میں اگر کوئی غریب سے غریب بھی ہوگا تو وہ بھی اس بات کی کوشش کریگا کہ اس کا کھانا سب سے اچھا ہو۔ چاہے اس کو قرض ہی کیوں نہ لینا پڑے۔ مگر دوست احباب میں واہ واہ ہو جائے۔ اس بیان سے یہ مطلب نہیں کہ جتنی رسمیں ہم لوگوں میں جاری ہیں وہ سب نقصان دہ ہیں۔ اور برباد کرنے والی ہیں۔ بلکہ ان میں بعض اچھی ہیں اور بعض بری۔ البتہ جن رسومات میں بے جا اسراف ہے اور ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں، وہ ضرور قابل اعتراض ہیں۔

جو رسومات رواجی عرصہ دراز سے چلی آتی ہیں وہ لوگوں کی طبیعت پر ایک عادت بد کی طرح قابو پا لیتی ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ رسومات مال و دولت، عزت و حرمت کی تباہی کا باعث ہیں۔ مگر چونکہ عادت پڑ گئی ہے اور اب اس کے ترک کرنے میں ہم چشموں اور برادری والوں میں شرمندگی اٹھانی پڑیگی اس لئے وہ اس کو جاری رکھنا باعث فخر سمجھتا ہے۔

اس کے علاوہ اس بات سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بری رسومات کو ترک کرنا قوم کی بہبودی کا باعث ہوگا۔ مگر اب وہ کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہئے جس کے پابند ہونے سے کامیابی ہو اور لوگوں کی شرمندگی سے بھی بچیں۔ پس اس مدعا کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہر ایک شخص اس بات کی کوشش کرے کہ اس کی قوم و ملت کے لوگ تعلیم پائیں۔ اور جب وہ فرقہ تعلیمیافتہ ہو جائے گا تو وہ اپنے سود و بہبود کو خود سوچ لیگا۔ اور یہ رواجی رسمیں خود بخود غائب ہو جائیں گی۔ اسکے علاوہ ایک صورت اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ ہر قوم و ملت کے سمجھدار آدمی رسومات کی اصلاح کے لئے مجالس قائم کریں اور اس بات کی کوشش کریں کہ جو جو بُری رسمیں عرصہ دراز سے چلی آتی ہیں اُن کا انسداد کیا جائے۔ جیسا کہ کچھ عرصہ سے ان باتوں پر عمل کیا جا رہا ہے اور بہت کچھ اصلاح بھی ہوگئی ہے۔ اگر یہ قاعدہ جاری رہا تو یقین ہے کہ پوری کامیابی ہو جائیگی۔

بلقیس بیگم X

(تیسری قسط)

خراسان (مشہدِ مقدس یعنی روضہ امام علی رضا علیہ السلام امام ہشتم) کی روانگی

سلسلہ کیلئے میگزین مئی سنہ ۱۹۴۶ء جلد اول شمارہ سوم ملاحظہ فرمائیے

خدا خدا کرکے ۲۰ رمئی سنہ ۱۹۳۱ء مطابق ۲ محرم الحرام یوم چہارشنبہ صبح آٹھ بجے قرنطینہ سے نجات ملی۔ تمام سامان پہلے ہی سے موٹر لاری میں قرینہ سے رکھ دیا تھا۔ اب ہم سب سوار ہوئے اور شہر قصر شیریں میں داخل ہوئے۔ دروازۂ شہر پر ایرانی پولیس نے پاسپورٹ دیکھے اور پھر ہم روانہ ہوئے۔ راستہ میں تمام منزلوں پر ہر قسم کی اشیائے خوردنی ہوٹلوں اور دکانوں میں بافراط موجود تھیں۔ کرند۔ ماہی دشت منازل وغیرہ سے گذرتے ہوئے شام کو چھ بجے کرمانشاہ پہنچے۔ موٹر کو گیراج میں ٹھہرایا۔ اور ہم نے گیراج کے اوپر بالاخانہ میں تین کمرے کرایہ پر لیکر رات بسر کرنے کا انتظام کیا۔ بازار میں گئے تھوڑی سیر کرنے کے بعد روٹی۔ دہی چاول۔ سالن اور دودھ وغیرہ لے کر رات کا کام چلایا۔ اسی سیر کرنے کے وقت شہر کرمانشاہ میں متعدد امام باڑے دیکھے۔ کھانے اور نمازِ مغربین سے فارغ ہوکر ہم لوگ مجالس کی شرکت کیلئے گئے۔ ایک عزاخانے میں داخل ہوئے۔ عزاخانہ میں کافی روشنی اور جھاڑ فانوس لگے ہوئے تھے۔ تمام دیواروں پر بڑے بڑے قالین لٹکا دیئے گئے ہیں۔ صحن میں سامعین کے بیٹھنے کے لئے چاروں طرف کرسیاں موجود ہیں۔ ان کے درمیان مستورات کیلئے قالین بچھا رکھے ہیں۔ جس وقت ہم سب گئے صاحب خانہ نے چائے اور حقہ سے تواضع کی۔ کرسیوں پر جگہ دی۔ یہ سلوک ہر شرکت کرنیوالے کے ساتھ ہوتا ہے۔ بغیر دودھ کی چائے خوبصورت شیشے کے فنجان میں پیش کی جاتی ہے اور شیشے کے بہترین حقے جن کو قلیان کہتے ہیں پیش کئے جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ ایک ذاکر جن کو ایران میں روضہ خواں کہتے ہیں تشریف لائے اور فوراً منبر پر تشریف فرما ہوئے اور تقریباً آدھ گھنٹہ تک ذکر شہادت امام حسین علیہ السلام فرماتے رہے۔ اس کے بعد زیارت پڑھوائی اور رخصت ہوگئے۔ وقتِ رخصت صاحب خانہ سے رسمی سلام ہوگیا۔ معلوم ہوا کہ یہ سلسلۂ مجالس تمام عزاخانوں میں اسی طرح سے برابر جاری رہتا ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ روضہ خواں اور سامعین آتے جاتے رہتے ہیں اور مجالس میں شرکت کرکے رخصت ہوجاتے ہیں۔ ہم سب بھی صاحب خانہ سے رخصت ہوکر اپنی قیامگاہ پر آئے۔ شب کو آرام کیا۔ صبح تمام ضروریات سے فارغ ہوکر روانہ ہوئے۔ آج ۲۱ رمئی ۳ محرم یوم پنجشنبہ ہے۔ یہی خیال ہے کہ عاشورہ سے قبل مشہد مقدس پہنچ جائیں۔ (عراق سے مشہد مقدس کا فاصلہ بارہ سو میل ہے) کرمانشاہ سے روغن کی ہوئی تسبیح جو بہت مشہور ہیں خریدیں۔ یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ قصر شیریں سے پہاڑی سلسلہ شروع ہوجاتا ہے جو زیادہ تر برفانی پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ ہر پہاڑ کے دامن میں ایک گھاٹی اور ان کے درمیان پہاڑ کو کاٹ کر سڑک بنائی گئی ہے جس پر سے موٹریں اور گاڑیاں گذرتی ہیں۔ کرمانشاہ نہایت بارونق اور آباد شہر ہے۔ ہم نے اسی جگہ چھ سو روپے کے انگریزی نوٹ ایرانی سکوں سے تبدیل کرائے۔ الحمد سو روپے کے پچھتر تومان (ایرانی روپیہ) ملے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بغداد اور کاظمین میں سو روپے کے اسی تومان ملے۔ قصر شیریں میں اٹھتر۔ کرمانشاہ میں پچھتر۔ سلطان آباد میں ستر اور اس کے بعد طہران دار السلطنت ایران میں پینسٹھ ہی ملے۔ الغرض عراق سے جس قدر ایران میں آگے بڑھتے جائیں یہ کمی ہوتی جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ کرمانشاہ سے روانہ ہونے کے بعد ذیل کی منازل طے کرتے ہوئے سلطان آباد پہنچ گئے۔ (بیستون۔ صحنہ۔ کنگاور۔ جوکھار۔

ملا بار - طولا - اور آب قنبر) یہ فاصلہ تقریباً بیالیس فرسخ کا ہے۔ (ایک فرسخ ۳½ میل انگریزی) آج کی منزل کچھ راستہ کی خرابی کی وجہ سے اور کچھ طولانی ہونے کے باعث دن میں تمام نہ ہوسکی بلکہ رات کے گیارہ بجے سلطان آباد پہنچے۔ موٹر سے اترے۔ موٹر خانہ میں دو کمرے کرایہ پر لئے اور رات کو آرام کیا۔ یہ شہر بھی نہایت عمدہ پایا۔ پختہ سڑکیں۔ جدید عمارتیں انگریزی طرز کی۔ تمام جگہ بجلی کی روشنی۔ پانی بافراط۔ نہایت شیریں اور ٹھنڈا۔ کھانے اور دیگر ضروریات کی اشیاء بکثرت۔ میوے ارزاں اور نہایت خوشگوار۔ دوسری صبح کو پھر روانگی کی تیاری کی گئی۔ روانگی میں موٹر خراب ہو جانے کی وجہ سے ذرا تاخیر ہو گئی۔ چنانچہ اس عرصہ میں ہم عورتوں نے سادے آلو پکا لئے۔ اور روٹی بازار سے خرید لی گئی۔ بچوں کو کچھ ناشتہ کرا دیا اور باقی کھانا باندھ کر ہمراہ لے لیا۔ چھ گھنٹے سفر کرنے کے بعد ایک منزل پر ایک باغ میں قیام کیا۔ یہاں ہوٹل۔ پانی کے چشمے اور میوے بکثرت پائے گئے۔ اس جگہ ہم نے کھانا کھایا۔ اور کچھ آرام لیا۔ اب یہ خوشی ہے کہ آج شہر معصومہ قم پہنچ جائینگے۔ اور جنابہ معصومہ قم (ہمشیرۂ جناب امام علی رضا علیہ السلام) کی زیارت کا شرف حاصل ہوگا۔ چنانچہ اکثر چوکیوں پر پولیس کو پاسپورٹ دکھاتے ہوئے منزل ابراہیم آباد۔ راہ گرد۔ کاروانسرائے سنگ کو طے کرتے ہوئے دن کے ایک بجے شہر قم میں داخل ہوئے۔ یہ فاصلہ چوبیس فرسخ کا طے کیا۔ یہاں ایک عمدہ مکان جسمیں متعدد کمرے قالین کے فرش کئے ہوئے تھے۔ صحن میں حوض اور باغیچہ تھا۔ آٹھ آنے یومیہ کرایہ پر لیا۔ ہم عورتوں نے حوض میں اپنے برتنے وغیرہ پاک کئے اور مرد غسلخانوں میں جا کر غسل کر آئے۔ نماز ظہرین سے فارغ ہو کر زیارت کیلئے چلے۔ شہر نہایت بارونق۔ کشادہ بازار۔ ہوٹل۔ باغات۔ اور بہترین عمارات۔ اس کے بعد درگاہ کی تو تعریف ہی کیا ہو سکتی ہے جس کے تین بڑے دروازے اور تین کشادہ صحن ہیں۔ ہر ایک صحن نہایت وسیع۔ ایک صحن میں ایک بڑا بیضوی شکل کا حوض جسمیں فوارے اور سُرخ مچھلیوں نے ایک لطف پیدا

کر دیا ہے۔ اس کے گرد لوگ وضو کرتے ہیں منہ ہاتھ دھوتے ہیں۔ الغرض ایک جمگھٹ لگا رہتا ہے۔ درگاہ میں داخل ہونے کے وقت ایک خادم صاحب ہمراہ ہو گئے۔ انھوں نے اذن اور پھر زیارت پڑھائی۔ مزار مبارک کے گرد چاندی کی ضریح بنی ہوئی ہے جس کے اندر پردہ پڑا ہوا ہے۔ غالباً یہ اس وجہ سے ہو کہ جنابہ معصومہ کی قبر مطہر کی بھی بے پردگی نہ ہو۔ تمام حرم میں زائرین کی کثرت۔ مرد عورت ہر جگہ زیارات کرتے اور دعائیں مانگتے نظر آرہے ہیں۔ اور اس قدر کثرت کہ ضریح کا طواف کرنا بھی مشکل سے ہوتا ہے۔ روضۂ مبارکہ پر سونے کا گنبد اور دو مینار نہایت شاندار بنے ہوئے ہیں۔ ایک سمت صحن کے اندر باغ ہے۔ زائرین کی کثرت سے راستہ چلنا بھی دشوار ہو گیا ہے۔ یہاں کے مرد اور عورتیں ہم لوگوں کو نہایت تعجب سے دیکھتے تھے اور یہ معلوم کر کے کہ ہم سب زیارات عراق سے مشرف ہو کر آئے ہیں وہاں کی مستورات ہم عورتوں کے اور مرد مردوں کے ہاتھ کو بوسہ دیتے تھے اور دعا کیلئے التماس کرتے تھے۔ ہر جگہ آگے اور پیچھے موجود ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کوئی نئی اور عجیب مخلوق دکھائی دیتی ہے۔ نہایت با اخلاق اور شائستہ۔ وہاں کی عورتیں چادر پیچاں میں اس طرح پوشیدہ کہ کوئی عضو نہیں دکھائی دے سکتا۔ روضۂ اقدس کے اندر تمام جگہ شیشے کا کام نہایت کاریگری سے کیا گیا ہے۔ اور ایسی پچی کاری کی گئی ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ زبانی یا تحریری تعریف بیکار ہے۔ روضۂ اقدس میں اکثر جگہ آٹھ معصومین کے مرقعے لگے ہوئے ہیں۔ روضۂ اقدس یعنی حرم میں داخل ہوتے ہوئے جو دروازے ملتے ہیں ان میں صندل کی لکڑی کے کواڑ جن پر سونے اور ہاتھی دانت کا کام ایسی خوبصورتی سے کیا گیا ہے کہ نظر ہٹانے کو دل نہیں چاہتا۔ جگہ جگہ قرآن خواں تلاوت کلام پاک کرتے رہتے ہیں۔ الحمد للہ کہ ایران میں داخل ہو کر ہم کو اس پہلی زیارت کا شرف حاصل ہو گیا۔ زیارت سے فارغ ہو کر ضریح اقدس پر عطر ملا اور اگر کی بتیاں روشن کیں۔ یہاں ان چیزوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے

جاتا ہے - یہاں کے مرد و زن ایک ایک بوند عطر کی درخواست
تے ہیں - حتیٰ کہ جو عطر ضریح مبارک پر ملا جاتا ہے اس کو تبرکاً اور
رد کے لالچ سے اپنے کپڑوں سے پونچھ لیتے ہیں - ضریح اقدس یعنی
کے دائیں اور بائیں بڑے بڑے کمرے ہیں جن میں شاہان
ن کی قبریں بنی ہوئی ہیں - یہاں بھی فاتحہ پڑھی - شاہ عباس صفوی
ان کے والد گرامی شاہ سلطان حسینی شاہ طہماسپ کی قبور ہیں -
یگر حجروں میں فتح علی شاہ صاحب اور محمد شاہ صاحب مرحومین
ور ہیں اور اُن پر ان کے مجسمے سنگِ مرمر کے بجائے تعویذ کے
ے ہیں - یہ مجسمے ان کے شاہی لباس میں دکھائے گئے ہیں - زیارت
فارغ ہوکر باہر آئے - یہاں ایک امام باڑہ عارضی طور پر ایک بہت
ے خیمہ اور شامیانوں سے تیار کیا گیا ہے - چونکہ زمانہ محرم ہے - عزاخانے
ہوئے ہیں - اس لئے ہر جگہ علَم - نشان - مرقعے اور سبیلیں لگی ہوئی
- دل تو نہیں بھرا لیکن جلدی کی وجہ سے اسی دن چھ بجے شام کو موٹر لار
سوار ہوکر طہران کی سمت روانہ ہوئے - روانہ ہونا تھا کہ یکایک اگرد ز
ندھی سُرخ رنگ کی آئی - گرد و غُبار نے پریشان کردیا - یہ پریشانی آدھ
تک رہی - اس کے بعد فوراً ہی بارش شروع ہوگئی جس سے تمام
دغُبار دب گیا اور مطلع صاف ہوگیا - اس وقت رات کا آغاز ہوگیا
لیکن راستہ صاف اور سیدھا ہونے کی وجہ سے اُن کے سفر میں
تکلیف نہیں ہوئی - آخر رات کے گیارہ بجے شہر شہزادہ عبدالعظیم
پہنچے اور شب میں اُسی جگہ قیام کیا - صبح کو اُٹھے نماز اور ضروریات
راغت پائی - اس کے بعد جناب شہزادہ عبدالعظیم کی زیارت کیلئے تیار
ے - یہ بزرگ حضرت امام حسین علیہ السلام نواسۂ رسول مقبولؐ کی چوتھی
ت میں ہیں - یعنی آپ کے پڑپوتے ہیں - اس جگہ سے طہران تقریباً
۵ میل رہ جاتا ہے - جہاں تک پہنچنے کے لئے چھوٹی لائن کی ریل موٹر لاری
ہیں اور دیگر گاڑیاں وغیرہ بکثرت چلتی ہیں - الغرض زیارت کو ہم سب

مرد و زن روانہ ہوئے - تھوڑی ہی دور پہنچے تھے کہ ایک امام باڑہ ملا -
جو سر راہ بنا ہوا تھا اور اس کے چاروں طرف قناتیں اور اوپر بڑا شامیانہ
لگا ہوا تھا - اسوقت وہاں مجلس برپا تھی یعنی ذکر شہادتِ امام حسین علیہ السلام
اور مصائب اہلبیت علیہم السلام ہو رہا تھا - تمام امام باڑہ مرد و زن سے
پُر تھا - ایک سمت عورتیں اور دوسری طرف مرد نہایت تہذیب سے بیٹھے ہوئے
سُن رہے تھے - چونکہ ہم کو سفر میں یہ موقع میسر ہوا ہم نے بھی شرکت کی - اور
صاحب خانہ نے نہایت اخلاق سے ہمارا خیر مقدم کیا - اور ہم کو اچھی جگہ بٹھایا
فوراً ہی ایرانی دستور کے مطابق چائے پیش کیگئی - ہر چند اصرار کیا - لیکن
اصرار بڑھتا گیا - بہرحال تبرکاً چائے پی اور مجلس سُنی - ایک ایرانی عالم
فارسی زبان میں ذکر شہادت اور ذکر مصائب بیان کر رہے تھے جو کافی طول
سمجھ میں آ رہے تھے اور ایسے مؤثر طریقہ اور لہجہ میں بیان کر رہے تھے کہ
صداقت پر مبنی واقعات کو سُن کر تمام اہلِ ایمان اور محب اہلبیت امام مظلوم
کی شہادت کا پُرسہ جناب سیدۂ عالمؑ کو دے رہے تھے اور اپنے دلی جذبات
کو آنسوؤں کی شکل میں پیش کرکے ثواب دارین حاصل کر رہے تھے بحمداللہ
اس مجلس میں سے ہم سب نے بھی پُرسہ دینے کے بعد رخصت حاصل کی اور پھر
جناب شہزادہ عبدالعظیم کی زیارت کیلئے درگاہ پر حاضر ہوئے - درگاہ سے متصل
ایک اور عزاخانہ ملا جسمیں بہت سے مرد و زن موجود تھے اور بڑے پیمانہ پر مجلس
ہو رہی تھی - یہاں چند منٹ کھڑے کھڑے شرکت کی اور پھر داخل درگاہ شاہ
عبدالعظیم ہوئے - یہ درگاہ بھی مثل کربلائے معلّٰی اور نجفِ اشرف کی درگاہوں کے
نہایت شاندار ایک طلائی گنبد اور دو میناروں کے نیچے بنی ہوئی ہے -
اور تمام درگاہ میں شیشہ کا کام دیواروں اور چھتوں پر اس قدر خوبصورتی
سے کیا گیا ہے جو کبھی اس سے قبل نظر سے نہیں گذرا - درگاہ کے اندر اور باہر
ائمۂ معصومین اور حضراتِ اہلبیت کے مرقعے نہایت عمدہ قلمی تیار شدہ آویزاں
ہیں - ضریح مقدس چاندی کی ہے جس کی چھت ایران میں نہیں بناتے
بلکہ مخمل یا کسی دوسرے بیش قیمت کپڑے کا شامیانہ بناکر اس پر سایہ

کردیتے ہیں۔ اور چھت کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایک بڑے
عالیشان کمرے میں ضریح ہوتی ہے۔ ضریح مقدس اور حرم کے دروازے
نقرئی ہیں۔ جواہرات اور قنادیل حسب مناسب آویزاں ہیں۔ ان میں آجکل
برقی لیمپ لگائے گئے ہیں۔ فرش سنگ مرمر کا ہے۔ اطراف میں صحن ہیں
ان میں مختصر باغ اور وسط صحن میں خوشنما حوض ہے۔ اسی روضۂ اقدس
کے قریب روضہ حمزہ ابن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہے اور صحن میں روضۂ
اقدس حضرت طاہر ابن امام زین العابدین علیہ السلام ہے جس کا گنبد علیحدہ
بنا ہوا ہے۔ اسمیں رنگین کاشی کی منقش اینٹ کا کام ہے اور عمارت پر
قرآن پاک کی آیات تحریر ہیں۔ مختصر یہ کہ اوّل اذن پڑھا۔ پھر اندر داخل
ہوکر زیارت پڑھی۔ بعد ازاں دُعا مانگی۔ یہاں بھی مثل درگاہ معصومہ قُم کے
بیشمار مرد و زن ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ ہم لوگوں سے نہایت اخلاق
سے ملتے رہے اور یہ معلوم کرکے کہ زیارت کربلائے معلّٰی سے مشرف ہوکر
آئے ہیں خوب دست بوسی کی۔ زیارت کی مُبارکباد اور دُعائیں دیتے
رہے۔ یہاں سے فارغ ہوکر دیگر دو متذکرہ بالا زیارتیں کیں۔
تمام روضوں پر عطر لگایا۔ اگر کی بتیاں روشن کیں اور باہر آئے۔
درگاہ کے مغربی حصہ میں ایک باغ نہایت خوبصورت ہے اور اسمیں
شاہ ناصر الدین قاچار شاہِ ایران کا مزار مُبارک ہے۔ آپ کی قبر پر بھی
آپ کا ایک مجسمہ سنگِ مرمر کا شاہی لباس میں بجائے تعویذ قبر کے
نصب ہے۔ اور آپ کا ایک فوٹو قلمی دیوار میں آویزاں ہے۔
ناصر الدین شاہ قاچار کے سالار جنگ کی قبر بھی اسی جگہ پہلو کے ایک
کمرے میں ہے اور اس پر بھی مجسمہ سنگِ مرمر کا نصب ہے اور
فوٹو قلمی دیوار پر آویزاں ہے۔ موجودہ شاہِ ایران رضا شاہ
پہلوی کے والد ماجد کی قبر بھی اسی احاطہ میں ایک حجرے کے اندر
بنی ہوئی ہے۔ اسوقت اس کی کچھ درستی ہو رہی تھی۔ ان امام زادوں
کی قبر مطہر کے قُرب میں شاہانِ ایران اپنی قبریں برکت حاصل کرنے
کی غرض سے بنواتے تھے جس کی قبل از مرگ وصیت کر دیتے تھے
الغرض زیارتوں اور فاتحہ خوانیوں سے فراغت پاکر قیام گاہ
پر آئے اور موٹر لاری کو تیار کرا کے سب سوار ہوئے اور طہران کا رُخ
کیا۔ کوئی آدھ گھنٹے میں آٹھ میل کا سفر ختم کرکے طہران میں پہنچ گئے۔

شہر طہران پایۂ تختِ ایران

طہران کوہ دماون کے سلسلہ میں شمران پہاڑ کے دامن میں
سطح سمندر سے تین ہزار قدم بلندی پر واقع ہے۔ ہوا لطیف اور
پاک ہے۔ شمران کی چوٹی پر جو برف جمتا ہے اس کے پگھلنے سے نہریں
بہہ کر آتی ہیں۔ اسی پانی کو باغات اور شہر کے کام میں لایا جاتا ہے
اسی سے سرسبزی ہے اور شہر خوشنما ہوگیا ہے۔ یہاں گرمی بہت کم
اور موسم سرما میں سردی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ طہران انگریزی وضع
کا شہر بنا ہوا ہے اور جدید عمارتیں بھی اسی طرز کی بنائی جا رہی ہیں۔
سڑکیں کشادہ۔ دُکانیں بڑی بڑی۔ بجلی کی روشنی ہر جگہ پانی کے
نل۔ سارے شہر میں ٹریموے کا سلسلہ ہے۔ اس کے علاوہ عوام الناس
کی آسائش کیلئے موٹر بسیں چوبیس چوبیس نشست والی۔ رنگ برنگ
کے پردے لگے ہوئے نہایت خوبصورت سارے شہر میں اِدھر سے
اُدھر دن رات دَوڑتی پھرتی ہیں۔ طہران میں ہمارا قافلہ ایک موٹر گیراج
کرباسی نامی میں ٹھہرا۔ منزلِ بالا پر ایک بڑا کمرہ کرایہ پر لیا۔ ہوٹل میں
کھانے کا آرڈر دیا۔ بہترین کھانا دونوں وقت اندازاً میت پر ہوٹل کے
ملازم ہماری قیامگاہ پر ہی پہنچا دیا کرتے تھے۔ فی کس تقریباً تین آنے
ایک وقت کے لیتے تھے جسمیں ایک پلیٹ چاول۔ دو طرح کا سالن، روٹی
اور کچھ اچار ہوتا تھا۔ ایک آدمی اتنا کھانا نہیں کھا سکتا تھا۔
دوسرے روز ہم دفتر نظمیہ (پولیس) میں پاسپورٹ لیکر گئے
جہاں ایک درخواست منشی سے تحریر کرا کے دی گئی۔ چنانچہ ایک دفتر سے

اور پھر وہ سہ پہر دفتر سے ضابطہ کی کاروائی ہونے کے بعد ہم کو اجازت مزید برائے سفر حاصل ہو گئی۔ الحمد للہ کہ اس مرحلے سے بھی نجات حاصل ہوئی۔ اس کے بعد بنک پہنچے اور سکہ تبدیل کرایا۔ پھر ڈاکخانہ گئے جہاں سے ٹکٹ خریدے اور ایک خط ہوائی جہاز سے روانہ کرنے کو ڈاکخانہ کے سپرد کیا۔ بعد ازاں اپنی قیامگاہ پر واپس آئے اور آرام کیا۔ شام کو تین گھوڑا گاڑیاں بارہ آنے کرایہ پر لے کر........ باغ ملی کی سیر کو گئے۔ جو طہران کا مشہور باغ ہے۔ اسی باغ کے ا... سالار جنگ کی کوٹھی ہے جس پر فوجی پہرہ لگا رہتا ہے اور دروازے پر کئی توپیں نصب کر رکھی ہیں۔ اسی باغ میں ایک وسیع میدان ہے جسمیں پولس لائن ہے۔ اس وقت بہت سے سپاہی گھوڑوں پر کچھ کرتب اور کھیل کی مشق کرتے نظر آئے۔ اسی جگہ فٹ بال بھی کھیلی جا رہی تھی۔ اس میدان اور باغ کے درمیان ایک بڑا کٹہرا لگا ہوا ہے۔ باغ نہایت خوشنما اور بارونق ہے۔ اس وقت تمام باغ مرد و زن سے بھرا ہوا تھا۔ عجیب چہل پہل تھی۔ تقریباً سارے باغ میں نشستیں کافی ہیں اور ان کے آگے خوبصورت میزیں بچھا رکھی ہیں۔ ہوٹل جا بجا موجود ہیں۔ جہاں چائے۔ انڈے۔ کیک وغیرہ خرید کر ان میزوں پر کھاتے ہیں۔ تمام ایرانی مرد و زن ہمارے قافلہ کو حیرت سے دیکھتے تھے۔ جس طرف ہم جاتے تھے کافی مجمع ہو جاتا تھا۔

(عصمت بانو جماعت دہم)

صحت قائم رکھنے کے اصول

(۱) رہنے کا مکان ہوادار ہونا چاہیئے۔

(۲) کھلی ہوا میں سویا کرو اور سوتے وقت چہرہ کھلا رکھو

(۳) تازہ پکا ہوا کھانا۔ سبز ترکاریاں اور میوے صحت بخش اور بہت مفید ہوتے ہیں۔

(۴) کھانا آہستہ آہستہ اور چبا کر کھاؤ

(۵) سانس منہ سے نہ لو۔ بلکہ ناک سے لو۔

(۶) جھک کر کام کرنے سے صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے سیدھی بیٹھا کرو۔

(۷) دانت اور مسوڑھے ہر روز صبح اور سوتے وقت اچھی طرح صاف کرو۔

(۸) منہ میں غلیظ چیز اور نیلی قلم وغیرہ نہ لو۔

(۹) کھانے پینے کی چیزوں کو مکھیوں سے بچاؤ۔ ایسی مٹھائی جس پر مکھیاں بیٹھتی ہوں استعمال نہ کرو۔

(۱۰) صبح جلدی اٹھا کرو۔ دن چڑھے اٹھنا انسان کو بیمار کر دیتا ہے۔

(۱۱) ناخن چھوٹے اور صاف رکھو۔

(۱۲) روزانہ نہاؤ۔ نہانے سے آدھی بیماری جاتی رہتی ہے اور تندرستی اچھی رہتی ہے جو زندگی کے لئے نعمت ہے۔

(۱۳) ہر چیز میں صفائی کا لحاظ رکھو۔ صفائی انسان کو بیماری سے دور رکھتی

(۱۴) ان سب اصولوں پر چلنے سے زندگی قابل رشک ہو سکتی ہے۔

(زبیدہ خاتون (قریشی) درجہ ہشتم)

ہندوستان میں تعزیت

ہندوستان میں تعزیت عجیب صورت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ فطری جذبۂ خلوص، حقیقی ہمدردی بالکل مفقود ہو چکی ہے۔ پسماندگان کے لئے تعزیت، میّت کی جدائی اور رنج و غم کے علاوہ نئی مصیبت بنتی جا رہی ہے۔ موت کی خبر سن کر دور و نزدیک کے رشتہ دار اور ملنے والے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ کچھ دیر تو میّت کے عزیزوں کو بجائے صبر کی تلقین کے مرنے والے کی خوبیاں بیان کر کر کے اس کی دائمی جدائی کا تصوّر دلا کر تازہ زخموں پر نمک چھڑکتے ہیں۔ اس کے بعد ان بیچاروں کو ان کے حال پر چھوڑ کر خود آپس میں اپنے خانگی جھگڑے شروع کر دیتے ہیں۔ کوئی قسمت کی شکایت کر رہا ہے۔ کوئی بیماری سے پریشان ہو چکا ہے۔ کسی بیوی کو اپنی بہو کی شکایت ہے تو کسی کو سمدھیانہ کا رونا ہے۔ کسی کو اور کچھ نہیں تو ہمسائے کی تکلیف ہے۔ غرض کہ ماتم پرسی ہوئی دنیا بھر کے شکوے شکایات ہو گئے۔ اس اثناء میں اگر میزبان کی آنکھ ذرا خشک نظر آئی تو پھر ایک دو بات میّت کے متعلق ایسی کہہ دی کہ اس غریب کا دل از سرِ نو بھر آیا۔ میّت کے اٹھتے ہی پان وغیرہ سے تواضع کرنا پڑی۔ کھانا کھا کر (جس کو حاضری کا کھانا کہتے ہیں) سب لوگ اپنے اپنے گھر مع اپنی ہمدردیوں کے چلے جاتے ہیں۔ اب جو گھر والے دیکھتے ہیں تو بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام گھر میں بڑا سخت زلزلہ آ چکا ہے۔ میّت کی بیماری کی وجہ سے جو سامان بدنظمی سے پھیلا ہوا تھا وہ سب تعزیت کرنے والوں کے بچوں کے کھیل کی اور فلسفیانہ جذبہ کی نذر ہو چکا ہے۔

تیسرے روز جسے پھول کہتے ہیں صبح ہی سے آدمی جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ آج عورتیں کپڑوں زیوروں سے مزیّن ہو کر آتی ہیں۔ کھانے پکتے ہیں۔ گھر گھر تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو شکایتیں ہوتی ہیں۔ شام تک وہ شور و ہنگامہ برپا رہتا ہے کہ شادی کی محفل اور ماتم پرسی کی مجلس میں امتیاز کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ پس ماندگان کو بجائے کسی مدد کے جس کی اس وقت ضرورت ہوتی ہے انتہائی پریشانی اور تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔

بہتر ہو اگر میّت ہونے پر تجربہ کار بزرگ مرد و عورت اکٹھے ہو کر میّت کے عزیزوں کو صبر کی تلقین کریں۔ دنیا کی ناپائیداری کا تصوّر دلائیں۔ اپنے سرد و گرم زمانہ کے تجربات سے کام لے کر گرتے ہوئے حوصلے اور ڈوبتے ہوئے دل کو سنبھالیں اور غیرت کی دیوار ہٹا کر میّت کے عزیزوں کا ہاتھ بٹائیں۔ حتی الامکان کوشش کریں کہ میّت کی دائمی جدائی کا احساس کم ہو۔

روحی مختار
جماعت نہم

عرب خواتین اور شاعری

دُنیا کے ہر دَور میں جس طرح فیشن۔ تہذیب اور کلچر کی
صورت ایک دوسرے سے جُدا گانہ رہی ہے بالکل اسی طرح عورتوں
اور مردوں کے کمالات اور اُن کا علم میں لوہا تسلیم کرنا بھی ہر دَور
میں مختلف ہوتا آرہا ہے۔ اگر عرب کے زمانۂ جاہلیت میں کشتی کرنا۔
نسب نامہ یاد کرنا اور اونٹوں کی پرورش کے نئے نئے اُصول دریافت
کرنا باعث فخر و افتخار تھے تو اسی عرب نے اپنی آنکھوں سے شوقِ جہاد
بس حد بہشت اور غریبوں کی امداد کرنے والوں کا فخر اور غرور بھی دیکھا۔
ان پر سارے عرب کو اور کچھ حصہ عجمسم کو بجا ناز تھا۔

انہی قدرتی قوانین کے پیشِ نظر خواتین کے باب میں آج
صرف اِسی بنا پر تنقید کی جا سکتی ہے کہ اُس نے ہوائی جہاز سے چینل عبور
کرنے کتنے گھنٹے کتنے منٹ کا ریکارڈ قائم کیا یونیورسٹی سے کون سے
خاص مضمون پر کتنی عزت سے ڈگری حاصل کی۔ ہاں روم میں اُس کا اعزاز
کیا ہے سینما میں اس کا ایکٹنگ کیا اثر رکھتا ہے۔ مگر اب سے صدیوں
پہلے بھی خواتین کیلئے کئی اس قسم کے اعزاز تھے جن کے باعث اُن کی جاودانہ
شہرت ہوتی۔

عرب کے لوگ اپنی شاعری۔ طرزِ بیان، زبان کی لطافت، برجستگی
اور شیریں کلامی کے لئے آج تک دنیا کے ہر طبقہ سے خراجِ تحسین وصول
کرتے آئے ہیں۔

ہمیں یہ دیکھکر رُوحانی مسرت ہوتی ہے کہ اِس فن شریفہ میں
جس کا خاص تعلق رُوح کی پاکیزگی اور خیالات کی لطافت سے ہے،
عورتوں نے خاص حصہ لیا۔ اور اپنی نفیس فطرت سے اس فن کو بامِ عروج تک
پہنچا دیا۔ عرب کے مراثی اپنے سوز اور خالص فطرتی اظہارِ خیال کیلئے
مشہور ہیں۔ دُنیا کے کُل مرثیہ گو شاعر اس بات پر متفق ہیں کہ فنِ مرثیہ گوئی
میں عرب کی بے مثل شاعرہ خنسا کا جواب نہیں۔

مرثیہ گو شاعرہ خنسا کا بے مثل دیوان جو عربی میں ہے اس کا
جس شاعر نے بھی مطالعہ کیا بے اختیار کہہ اُٹھا کہ اُس شاعری کا جواب
آج بھی اسی طرح ناممکن ہے جس طرح اب سے صدیوں پیشتر تھا۔
سوق عکاظ کے بازار جن کو حضرت عمر نے اپنی شرکت سے ہمیشہ عزت
بخشی خنسا کی شاعری کے خاص مرکز تھے۔ عہد بنو اُمیہ کے مشہور اور
ممتاز شاعر جریر سے جب عرب کے سب سے بڑے نامی شاعر کے انتخاب
پر بحث ہوتی تو آپ نے فرمایا کہ اگر عرب میں خنسا کا وجود نہ ہوتا تو شاید
میری نظرِ انتخاب خود مجھ پہ پڑتی۔

جلیلہ بنتِ مرہ جساس بن مرہ کی بہن اور کلیب کی بیوی
تھیں۔ بدقسمتی سے جساس میں اور کلیب میں کسی خاص معاملہ میں
ایسی اَن بن ہوگئی کہ آپس میں جان کے لالے پڑ گئے۔ دنگل ہوا۔ اور
جساس کے ہاتھوں کلیب مارے گئے۔ قاتل کی بہن ہونے کے جُرم
میں جلیلہ بنتِ مرہ نکال دی گئیں۔ اس موقع پر آپ نے جو شعر کہے
وہ عورت کی فطرت کے وہ بے مثل آئینے ہیں جنمیں ہر قوم و مذہب
کی عورت اپنی فطرت کو اپنی آنکھوں عریاں دیکھ سکتی ہے۔ اور جن کے
اثر اور گرمی کو عرب کے نامی گرامی شاعروں نے متفقہ طور پر تسلیم کیا۔

نامی گرامی شاعرہ اور مشہورِ عالَم مرثیہ گو خنسا کی حقیقی پھوپھی
تماضر بنت الشرید السلمیہ بھی اپنے زمانہ کی نامور شاعرہ تھیں۔

آپ کے شوہر قبیلہ ہوازن کے سردار ظہیر بن جذیمہ عرب کی جنگ نفرادات میں معفر عامری کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ شوہر کے بعد تماحز کا جوان سال، جواں ہمت بیٹا بھی قیس بن ظہیر کے بھائی مالک بن ظہیر کی خفیہ سازش کے ماتحت قتل کر دیا گیا۔ جس بہادر دل نے شوہر کی موت ہنستے کھیلتے برداشت کی وہی سینہ ماتا کے جوش سے اُبل پڑا۔ اور جواں مرگ بیٹے کی لاش عمر بھر کے ضبط کے بندھن کو توڑ گئی۔ اور اس جوش نے رنج نے۔ غم نے ایک پُر سوز مرثیہ کی صورت اختیار کر لی۔ چند عربی شعروں کا ترجمہ حسب ذیل ہے :-

" آنکھیں غبار آلودہ ہوگئیں۔ غم نے آنکھوں سے نیند اُچاٹ کر دی۔ میں ایک ایسے بچے کی لاش پر مصروف گریہ ہوں جس پر سارے قبیلہ کو فخر تھا۔ اگر قبیلہ رنج کرے تو کوئی تعجب نہیں۔ اس لئے اُنھوں نے اپنے ایک بہادر نوجوان کو کھو دیا۔ "

اِن معمولی مثالوں سے اچھی طرح واضح ہو سکتا ہے کہ عرب کے اِس دَور کو جس کو تمام مورخ جہالت کا دَور کہتے ہیں خواتین عرب کی شاعری نے کس طرح روشن کر رکھا تھا۔

ہر دَور میں کامیابی اور شہرت مختلف پہلو اختیار کرتی ہے۔ مگر دُنیا کے ہر دستور اور ہر تہذیب میں عورت نے اپنے علم۔ اپنی فطرت اور اپنی قابلیت سے اپنے لئے نمایاں راستہ پیدا کیا اور کر رہی ہیں۔

(مقتصدہ خاتون۔ ادیب فاضل)

اقوالِ زرّیں

(۱) مغرور آدمی کو کوئی پسند نہیں کرتا۔

(۲) جو شخص جس قدر زیادہ قسمیں کھاتا ہے اُسی قدر زیادہ جھوٹا ہوتا ہے۔

(۳) خدا کی یاد اور موت کا دھیان ہمیشہ رکھو اور جو نیکی کرو اُسے بھول جاؤ۔

(۴) انسان کی عزت علم و ہنر سے ہوتی ہے نہ کہ بھڑکدار اور نفیس لباس سے۔

(۵) چاند کی روشنی میں پڑھنا آنکھوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔

(۶) جو آدمی تم سے کسی کی غیبت کرے تو سمجھ لو کہ وہ تمھاری ہی غیبت کرتا ہے۔

(۷) دوست حقیقی معنوں میں وہی ہے جو کہ آڑے وقت میں کام آوے۔

(۸) اپنا راز کسی سے مت کہو۔ کیونکہ پھر وہ راز نہ رہیگا۔ اگر وہ تمھارا دوست ہے جس سے تم اپنا راز کہو گے تو اُس کے بھی بہت سے دوست ہونگے۔

(۹) ایک دوست بہتر ہے بہ نسبت بے وفا دوستوں کے جھنڈ سے۔

(۱۰) اپنی تکالیف کسی سے بیان مت کرو۔ کیونکہ پھر وہ تمھاری ملاقات کا خواہشمند نہ رہے گا۔

(۱۱) صبح کے وقت گھاس پر ننگے پاؤں چلنا بینائی کے لئے بیحد مفید ہے۔

(رضیہ سلطان کلاس نہم)

اطاعتِ والدین

دُنیا میں کوئی مذہب کوئی دھرم اور کوئی مسلک ایسا نہیں جس میں والدین کی اطاعت اور رضاجوئی فرض نہ کی گئی ہو۔ بلکہ والدین سے سلوک کرنا اور اُن کی دل وجان سے خدمت بجا لانا عبادت قرار پایا ہے۔ اور عقل بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے۔ کیونکہ انھوں نے ہماری اس حالت میں مدد کی جب ہم کسی قابل نہ تھے۔ اگر بعدِ ولادت ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیتے تو بتاؤ اُسوقت ہمارے امکان میں کیا تھا نہ زبان میں گویائی تھی کہ اپنا حالِ زار کسی سے بیان کرتے۔ نہ ہاتھوں میں اتنی طاقت تھی کہ کسبِ معیشت کرتے یا دستِ سوال کسی کے آگے پھیلاتے۔ نہ پیروں میں توانائی تھی۔ نہ بھوک پیاس پر شکیبائی۔ کون تھا جو ہمیں آفتاب کی حرارت اور شبنم کی برودت سے بچاتا۔ لیکن ماں باپ ہیں جنھوں نے خود مصیبت اٹھائی اور ہمیں آرام سے رکھا۔ پالا۔ پرورش کیا اور اس مرتبہ تک پہنچایا۔ اور بعید نہیں کہ کسی زمانہ میں ہمارا شمار نامور لڑکیوں میں ہو جائے۔ ایسی حالت میں ماں باپ کے تمام احسانوں کو بھول جانا اور تعظیم و اطاعت کا خیال نہ رکھنا نہ صرف بے ادبی بلکہ کفرانِ نعمت اور سخت احسان فراموشی ہے۔ اگر ہم نیک ہیں تو یہ کبھی نہ بھولیں گے کہ ہماری ماں نے کن کن دقتوں سے پالا۔ راتوں کو اپنی نیند حرام کی۔ ہمیں لے کر ٹہلتے ٹہلتے اپنے پاؤں شل کر لیے۔ ہمارے آرام کے لئے کیا کیا اہتمام نہ کئے۔ کبھی سینہ پر لٹایا۔ کبھی لوریاں دیں۔ کبھی پنکھا جھلا۔ تھپک تھپک کر پہروں گود میں سلایا۔ اپنے تمام عیش کو ہماری خدمت میں بھول گئیں۔ ہماری زندگی کے لئے ہزاروں منّتیں مانیں۔ نصف شب کو اٹھ اٹھ کر ہماری سلامتی کے لئے دُعا کی۔ مختصر یہ ہے کہ اپنے آرام کو ہمارے لئے نثار کر دیا۔ کیا یہ خدمات اس قابل ہیں کہ انھیں بھلا دیا جائے۔ یہ بات ہمارے ذہن نشین ہونی چاہیے کہ کسی احسان کو بھلانا شریفوں کا دستور نہیں۔ عقلمند اور نیک لڑکیاں موجود ہیں جو ماں باپ کے سرہانے پانی لئے رات بھر کھڑی رہتی ہیں اور سوءِ ادبی خیال کر کے جگا نہیں سکتیں۔ لیکن ایسی کمبخت لڑکیاں بھی ہیں کہ اپنے والدین کی تعظیم و تکریم کرنا تو درکنار اُن کو نہایت گستاخانہ طور پر اُلٹ کر جواب دیتی ہیں اور بدزبانی اور سخت کلامی سے اُن کا دل دُکھاتی ہیں کہ بالآخر والدین کے منہ سے یہ کلمہ بیساختہ نکل جاتا ہے کہ اے کاش! ایسی ناشاد اولاد پیدا نہ ہوتی تو بہتر تھا۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دین و دُنیا کی فلاح والدین کی خدمت اور اطاعت میں پنہاں ہے۔ اگر والدین بد مزاج بھی ہوں تو بھی ہم کو بھولے سے بھی ترش رو ہونا نہیں چاہئے۔ بلکہ تہِ دل سے انکساری اور عاجزی اختیار کرنی چاہئے۔ غالباً آپ نے لوگوں کو کہتے سُنا ہوگا کہ جنت ماں کے پیر کے نیچے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب حقیقی معنوں میں یہی ہے کہ اگر ہم اپنی والدہ کی فرمانبردار۔ خدمت گذار اور حق شناس لڑکی ہیں تو والدین کے ساتھ ہمارا نیک سلوک انجام کار عاقبت میں گلزارِ رضواں بن جائے گا۔ اگر ہمارے اعمال نہایت عمدہ اور قابلِ تحسین ہیں اور ہم شب و روز خدا کی عبادت کرتے ہیں لیکن ساتھ کے ساتھ ماں باپ کو ایذا پہنچانے میں دریغ نہیں کرتے تو اے میری بہنو! ہماری یہ عبادت کسی کام نہ آئے گی اور ہمارا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

(سکندر جہاں بیگم جماعت ششم)

زندگی کا ایک ورق

رجنی —— او رجنی ! —— اری تو بولتی کیوں نہیں ! تونے پتاجی کی تصویر کا شیشہ کیوں توڑ دیا ؟ بتا ...... نہیں بولے گی۔ ...... بتا کمبخت ...... میں اُسوقت اگر ہوتا ...... تو تیرا کم سے کم سر توضرور پھاڑ دیتا ...... منحوس کہیں کی ...... مرتی بھی تو نہیں ......

رجنی خاموش پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھی —— وہ رو نہیں رہی تھی بلکہ اُس کا دِل رو رہا تھا —— وہ سوچ رہی تھی کہ جب پتاجی زندہ تھے تو کوئی مجھے ہاتھ تک نہیں لگا سکتا تھا —— وہ چاہے کتنی بڑی شرارت کرتی۔ چاہے کتنا ہی بڑے سے بڑا نقصان اُس کے ہاتھوں ہوجاتا مگر کسی کی مجال تھی کہ کوئی ٹیڑھی نگاہ سے بھی دیکھے۔ یہ نوبت تو کبھی نہیں آئی تھی کہ اُس کے خیالات کی دُنیا مُنتشر ہو کر رہ گئی۔ اُس کے رُخسار جھن جھن کر رہے تھے۔ قصور صرف یہ تھا کہ پتاجی کی تصویر کا شیشہ ٹوٹ گیا تھا۔ رجنی کے ہاتھ میں ایک رسالہ تھا جو اب چھوٹ کر دور جا پڑا تھا۔ اس کے حرف اس کی آنکھوں میں اس طرح بڑے بڑے دکھائی دینے لگے جس طرح کسی عکسی شیشے سے نظر آتے ہیں —— اس کی آنکھوں اور رسالہ کے درمیان ایک باریک چمکتا ہوا پردہ پڑگیا جس کی چکدار کرنیں آنسوؤں کے موتیوں سے پھوٹ کر کبھی لمبی کبھی ترچھی کرنیں رقص کرتیں۔ کبھی کبھی غائب بھی ہوجاتیں۔ یہاں تک کہ دو بوندیں رسالہ پر گریں۔ سامنے کچھ دور زمین پر پڑا ہوا رسالہ جس کے کئی ورق ہوا کے جھونکے سے پلٹ چکے تھے۔ دفعتاً ایک ورق پلٹا۔ جس پر لکھا تھا "یتیم کی آہ"۔ اس کی بھی ایک آہ نکل گئی —— آہ۔ میں بھی تو یتیم ہوں —— ۔ چیکنی نہیں ہوگی! کرخت لہجے نے رجنی کو چونکا دیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا —— رامو اب ماں سے لڑ رہا تھا تم نے اسے سر پر چڑھا رکھا ہے۔ ہر جائز ناجائز بات پر اس کی جانب سے بول اٹھتی ہو —— یہ تمھاری طرفداری کرنے سے اور شہ پاتی ہے —— سودھا حیرت سے رامو کا منہ تک رہی ہے —— تصویر کا شیشہ ٹوٹ گیا۔ بن جائے گا۔ تونے جو اس کے تھپڑ مارا۔ کیا اس سے شیشہ جڑ جائیگا۔ ہر وقت لڑائی۔ چوبیس گھنٹے لڑائی۔ سوائے اسکے اور بھی کچھ آتا ہے۔ دیکھو ماں۔ رامو نے اسی لہجے میں بنکارنا شروع کیا۔ تم ہر بات میں مت بولا کرو۔ ہزار دفعہ تمھیں منع کیا ——

سامنے کھڑکی کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ رجنی پلنگ پر پیر لٹکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے مست جھونکے اس کے پیچدار بالوں سے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ زمین پر پڑے ہوئے رسالے کے ورق الٹ رہے تھے —— مگر اس کا تو دوسرا ہی ورق اُلٹا تھا —— اُس نے کھڑکی کے قریب بچھی ہوئی میز پر اپنی دونوں کہنیاں ٹیک دیں —— آہ ! وہ اپنے کھوئے ہوئے مشفق و مہربان باپ کی نورانی صورت یاد کر رہی تھی۔ باپ کس بے چینی سے اس کی اسکول سے واپسی کا انتظار کیا کرتے تھے۔ جب تک رجنی کھانے پر شریک نہ ہو اُن سے کھانا کھایا ہی نہیں جاتا تھا۔ اب اُسے کون پیار کرے۔

اُس نے دیکھا وہ باپ کے سینے سے لگی ہوئی ہے۔ اُس کے آنسو پیارے پیارے ضعیفی کے ملائم ہاتھوں پر پڑ رہے ہیں۔ دو گرم گرم آنسو ڈھلک کر رخساروں پر بہ نکلے۔ وہ پھر چونک پڑی پتاجی۔ پتاجی —— باہر بڑے زور سے بارش ہو رہی تھی۔ کھڑکی میں

جو چک بندھی ہوئی تھی اس کی ڈوری لٹک رہی تھی۔ بارش کے قطرے اس ڈوری سے پھسل پھسل کر اس کے رخساروں پر پڑ رہے تھے وہ حیران تھی۔ باہر کے کمرے سے رامو کے گانے کی آواز آ رہی تھی ۔ " ساون کے نظارے ہیں ۔۔۔ آہا۔ آہا " اس نے آسمان پر اپنی نظریں گاڑ دیں۔ ایک سرد آہ اس کے کانپتے ہوئے لبوں تک آئی۔ اس کے مختصر کمرے میں دیواروں سے ٹکراتی ہوئی دور آسمانی فضاؤں میں کالے کالے بادلوں میں غائب ہو گئی۔

(سحاب آغا شاعر قزلباش)

رازِ ترقی

پہلے زمانے میں عورتوں کی تعلیم کی طرف کوئی خاص توجہ نہ کرتا تھا۔ بلکہ اگر کوئی لڑکی پڑھتی بھی تھی تو نہایت برا سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے اس زمانے کی عورتیں جاہل سمجھی جاتی تھیں۔ اس زمانے میں اسکول وغیرہ بھی نہ تھے اور پھر آگے بڑھتے بڑھتے کئی اسکول کھولے گئے وہ بھی لڑکوں کے لئے۔ لیکن ان لوگوں نے یہ نہ سمجھا کہ لڑکوں کی بہ نسبت لڑکیوں کی پڑھائی ضروری اور فرض ہے اور پھر ایسا ہو گیا کہ تعلیم نے اتنی ترقی کی کہ لڑکیوں کی طرف بھی لوگ متوجہ ہوئے اور ان کی تعلیم کا خیال آیا۔ یہی وجہ ہے کہ کافی عرصے کے بعد عورتوں کی تعلیم شروع ہوئی اور دوسرے ملکوں کی عورتوں اور مردوں نے خوب ترقی کی اور ہمارا ہندوستان سب سے پیچھے رہ گیا۔ اور اس تعلیم کی بدولت ان لوگوں نے نئی نئی معلومات بڑھائیں نئی سے نئی کلیں (مشینیں) ایجاد کیں اور پھر ہندوستان والوں کو بھی تعلیم کا خیال آیا۔ اور زمانۂ حال میں ایسا ہو گیا ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم مقدم سمجھی جانے لگی ہے اور اب ہندوستان کی لڑکیاں بھی ڈگریاں حاصل کر رہی ہیں اور مردوں کے برابر چلنے کی کوشش میں مصروف نظر آتی ہیں۔ اور امید ہے کہ آئندہ اس سے ملک اور قوم کی بہبودی میں کافی مدد ملے گی۔ لیکن اب بھی خاص کر مسلمانوں میں تعلیم نے اتنی ترقی نہیں کی۔ جتنی کہ اور غیر اقوام نے کی ہے حالانکہ لڑکیوں کی تعلیم کے بارے میں مسلمانوں کے مذہب میں فرض کا حکم ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ جن کے مذہب میں لڑکی کو تعلیم دینا فرض ہے وہی اس کی قدر نہیں کرتے اور اسی لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ لیکن ہندو اور کئی قوموں نے تعلیم نسواں کی طرف خاص توجہ کی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کی لڑکیاں کافی تعداد میں لائق اور تعلیم یافتہ ہیں۔ مذہبی اور سیاسی ہر ایک کام میں مردوں کے برابر حصہ لے رہی ہیں۔ اگر آج مسلمان بھی اپنی لڑکیوں کو جہاں تک ہو سکتا تعلیم دلواتے اور گھر میں نہ بٹھاتے تو آج ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت کچھ اور ہوتی۔ ترکی میں دیکھو وہ ایک اسلامی واحد جمہوری سلطنت ہے اور آج وہ سب سے طاقتور سلطنت ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیوں ہے۔ اس لئے ہے کہ یہ سب تعلیم کا دور دورہ ہے اور تعلیم بھی صرف مردوں ہی کی نہیں بلکہ تعلیم نسواں بھی شامل ہے اور حالانکہ یہ طبقہ کسی زمانے میں کسی شمار میں نہ تھا اور ایک نہایت ہی خراب اور جہالت کی حالت میں تھا۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ عورتوں کو کیوں تعلیم دی جائے جبکہ انھیں نوکری نہیں کرنی ہے۔ لیکن تعلیم کا صرف یہی مقصد نہیں ہے کہ اس کے ذریعے سے روپیہ کمایا جائے۔ عورتیں تعلیم سے اور بہت کچھ فائدہ حاصل کر سکتی ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فائدہ ہوگا کہ انھیں اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت میں بڑی آسانی ہوگی۔ اگر بچوں کی تربیت اچھی ہوگی تو وہ زندگی بھر والدین کی نیک نامی کا سبب رہیں گے۔ بچوں کی اچھی تربیت اور عزیز پرداخت تعلیم یافتہ ماؤں پر منحصر ہے۔ اس لئے جہاں تک

ہو سکے ہمیشہ اپنی لڑکیوں کو چھوٹی عمر سے تعلیم دلوانی چاہیے کہ وہ آئندہ آنے والے زمانے کا کاروبار آسانی سے اُٹھا سکیں۔ اور اُن کے بچے شروع ہی بہادر اور وطن سے محبت رکھنے والے بنیں اور جہاں تک ہو سکے اپنے مُلک کی فلاح اور بہبودی کے منصوبے سوچیں۔ یہ جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ اُن کی مائیں خود تعلیم یافتہ ہوں تو وہ بچوں کی بھی اصلاح کر سکتی ہیں۔ ورنہ وہ کچھ بھی نہ کر سکیں گی۔ اب سوال یہ ہے کہ تعلیم کس قسم کی ہو؟

پس جاننا چاہیے کہ سب سے پہلی بات جو ضروری ہے وہ مذہبی تعلیم ہے۔ کیونکہ اس سے عورتوں کے اخلاق درست ہوتے رہینگے۔ ورنہ اگر اخلاق درست نہیں تو دُنیا کی کوئی تعلیم صحیح طور پر فائدہ نہیں دے سکتی۔ سچ ہے کہ علم ہی ایک ایسی چیز ہے جو ہر قسم کی ترقی کا زینہ ہو سکتی ہے۔

سعیدہ بیگم جماعت نہم

معلومات

(۱) دنیا کا سب سے بڑا ستارہ مشتری ہے (۲) دُنیا میں کُل 3564 زبانیں بولی جاتی ہیں۔ (۳) شہر پیکنگ کے قریب ایک پُل ہے جو سارے کا سارا چینی کا بنا ہوا ہے۔ (۵) سب سے پہلا فوجی ہسپتال حضرت عمر فاروقؓ نے بنایا۔ (۶) دنیا میں سب سے زیادہ بولی جانے والی چار زبانیں ہیں۔ اُن میں اُردو کا تیسرا نمبر ہے۔ (۷) شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی لڑائی میں توپ کا ایک گولہ جو موسیٰ ندی (حیدرآباد) کے سنگھم پر چلایا گیا تھا، ابھی تک گولکنڈہ کی فصیل پر موجود ہے۔

(سیدہ ناظمہ سُلطان۔ دہم)

لطائف

ماں (بیٹی سے) میں نے سُنا ہے کہ تم ہر کسی کو کمبخت کہتی ہو؟

بیٹی۔ نہیں اماں جان کسی کمبخت نے آپ سے جھوٹ کہا ہے۔

ماں۔ ننھے میاں! دیکھو شام ہوگئی مُرغی کے بچے دربے میں بند ہوگئے۔ تم بھی اندر چلے آؤ۔

بچہ۔ لیکن امان مُرغی کے بچوں کے ساتھ تو مُرغی بھی جاتی ہے۔

اُستاد (لڑکوں سے) بتاؤ انگریزوں نے ہندوستان کا نام انڈیا کیوں رکھا ہے؟

لڑکا:۔ کیونکہ ان کو انڈے بہت مرغوب ہیں۔

باپ (لڑکے سے) کیوں بیٹا تم آج سکول کیوں نہیں گئے۔

بیٹا۔ جی آج کی چھٹی ہے۔

باپ۔ کاہے کی؟

بیٹا۔ جی Haliday ہالیڈے کی۔

(سیدہ ناظمہ سلطان X)

رسولِ اکرمؐ کی سیرتِ اقدس پر ایک سرسری نظر

محمدؐ کی سیرت سے کچھ فیض لے کر — شہنشاہیاں کملی اوڑھے ہوئے کر
ذرا پیٹ پر باندھ فاقوں میں پتھر — یوں مرضیِ مولیٰ پہ جی اور مرے کر

اخلاقی اوصاف کے حسنِ تمام کا نمونہ بنی جس میں
مت و رأفت۔ شفقت۔ زہد۔ حسنِ معاملت۔ صفح جمیل
یثار۔ صبر و شکر۔ جود و سخا۔ حلم۔ تدبیرِ منزل۔ تنظیمِ قوم۔
سلوبِ بیان۔ حکمت و جامعیت۔ نظمِ عالم وغیرہ وغیرہ
ہزاروں عنوانات ہیں جن کے تحت حضورؐ کی مقدس زندگی
ے واقعات معیاری روشنی ڈالتے ہیں۔

عنوانات متذکرہ اگرچہ خود حضورِ اقدسؐ کی سیرت
ے ابواب ہیں لیکن میں صرف چند حرف ہر عنوان کے متعلق
یش کرتی ہوں۔

رحمت و رأفت جس قدر تکالیف آپ نے تبلیغ اسلام میں برداشت کی ہیں جس کی بابت
ود فرمایا ہے کہ کسی نبی کو ایسی تکلیف نہیں دی گئی جتنی کہ مجھ کو
ی گئی۔ اس مصلحِ عالم اور خیر خواہ بنی آدم کے گلے پر اونٹ کی
وجھڑی ڈالی گئی۔ سنگ باری کی گئی۔ اس کے قتل کے لئے
نعام مقرر کئے گئے۔ دندانِ مبارک شہید ہوا۔ ایڑیاں ان کے
پتھروں سے زخمی ہوئیں غرض کوئی جسمانی تکلیف ایسی نہ تھی جو
پہنچائی گئی ہو۔ اس کے مقابل کسی موقع پر اس شہنشاہِ عالم کو
اس شہنشاہِ عالم کو ان بدظن لوگوں کی مخالفت اور تکلیف پہنچانے
پر آمادہ نہیں دیکھا گیا۔ بلکہ ہمیشہ ان کی اصلاحِ حال کے اندر
حد سے زیادہ کوشش کرتے ہوئے پایا گیا۔

شفقت کا یہ حال تھا کہ قوم کی بوڑھی عورتوں اور
یتیموں کی خدمت اپنا شعار کر رکھا تھا۔ ایک دن رسول اللہ
بازار میں جا رہے تھے کہ انھوں نے دیکھا ایک اندھی عورت
ٹھوکر کھا کر گر پڑی اور بازار کے لوگ ہنسنے لگے۔ آپ کو رونا آگیا
اور آپ نے عورت کو اٹھایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے گھر تک
پہنچا دیا۔ پھر روز اس کے گھر پکا ہوا کھانا خود لے کر جاتے تھے۔

زہد آپ دیکھینگے کہ کفارِ مکہ آپ کو تبلیغ اسلام سے روکنے کے
لئے کیسے کیسے لالچ دیتے تھے اور دنیا کی تمام دولت کو آپ کیلئے
مہیا کرنے کا ذمہ لیتے تھے۔ حسین سے حسین عورتیں آپکی خدمت میں
پیش کرتے تھے مگر آپ ان چیزوں پر ذرا بھی توجہ نہیں دیتے تھے
اور ارشاد ہوتا ہے کہ اگر کفارِ مکہ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور
ایک ہاتھ پر چاند رکھ دیں تب بھی میں اپنا کام چھوڑ کر ان کی طرف
ملتفت نہیں ہو سکتا۔ جس زہد کی عملی تعلیم صحابہ کرام کو آپ سے پہنچی
اس کی یہ تاثیر تھی کہ چار دانگ عالم میں سلطنتِ اسلام کو پھیلا کر بھی

شہنشاہیت کے عالم میں ٹاٹ کے کپڑے پہنتے تھے اور چمڑے کے پیوند لگاتے تھے اور جی بھر کر کسی رات نہیں سوتے تھے۔

حسنِ معاملت کی یہ کیفیت تھی کہ قبل از نبوت قوم کی طرف سے امین اور صادق کے القاب حضور کو دیئے گئے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک یہودی نے اپنے چند درم کے لئے جس کے لئے آپ مقروض تھے بہت بدتمیزی کے ساتھ ایسے وقت پر تقاضا کیا کہ حضور مجمع اصحاب میں رونق افروز تھے۔ اس کا یہ طرز یہ سب کو ناگوار گذرا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو ڈانٹا تو حضور نے فرمایا کیا کرتے ہو۔ تم کو چاہیے کہ مجھکو قرض ادا کرنے کی ترغیب دو۔ اور اس کو نرمی سے تقاضا کرنے کی ہدایت کرو۔ پھر آپ نے قرض ادا کیا۔ اور قرض سے زیادہ رقم دلوائی۔ اور فرمایا کہ یہ بدلہ ہے اس ڈانٹ ڈپٹ کا جو تم کو دی گئی۔

صفحِ جمیل (یعنی درگذر اور معافی) حضورؐ کی ساری زندگی اس صفت کا آئینہ تھی۔ فتح مکہ کے دن ابوسفیان جیسے دشمن کو معافی اور مراعات عطا فرمایا۔ اکرمہ بن ابی جہل کو بعد خونِ بدر کے معافی اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمایا۔ وحشی قاتلِ حضرت حمزہ کو معاف کر دیا گیا۔ ہندہ جس نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا معاف کی گئی۔

ایثار ایثار کی مثالیں حضورؐ کی مقدس زندگی میں بےشمار ملیں گی۔ مگر خصوصیت سے حضرت سیدنا ابراہیم ابن رسول اللہ کی نعش کو حضرت امام حسین پر قربان کرنے کا واقعہ ہے کہ اپنے فرزند کو محض اس خیال سے کہ اس کا صدمہ تنہا مجھکو ہوگا اور حسینؓ کا صدمہ سیدنا علی اور حضرت فاطمہ زہرا دونوں کو ہوگا، منجانب اللہ پر حضرت ابراہیم کو نواسے پر قربان کر دیا۔

صبر و شکر کا ایک واقعہ عرض کرتی ہوں۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن حضورؐ ایک ایسی چادر اوڑھے ہوئے تھے جس کا کنارہ سخت تھا۔ ایک اعرابی آیا۔ اور اسے اس قدر سختی سے کھینچا کہ وہ آپ کی گردن میں پیوست ہو گئی۔ حضورؐ کا جسم مبارک نہایت لطیف و نازک تھا۔ گردن میں چادر کا پھندہ پڑنے سے سخت تکلیف ہوئی۔ اس اعرابی نے کہا کہ ہم لوگ بھوکے ہیں۔ آپ ہم کو کیوں نہیں دیتے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میری گردن چھوڑ دو۔ میں تم کو دوں گا۔ اس نے کہا کہ میں اس وقت تک آپ کو نہیں چھوڑونگا جب تک آپ مجھکو دینگے۔ آپ مسکرا دیئے اور اس کو دو اونٹ عطا فرمائے جن پر کھجور اور جو لدے ہوئے تھے۔ اور ایسا بیان کیا گیا ہے کہ اونٹ وہ خود لایا تھا کہ ان پر آذوقہ لاد دیا جائے۔ حضورؐ نے اس کی خواہش پوری فرما دی۔ جب اس نے آپ کی گردن چھوڑی۔

چشتیہ کلاس IX

روزہ

خداوندکریم نے ہم پر پانچ فرائض عائد کئے ہیں۔ اور وہ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج، کلمہ ہیں۔ جوکہ ہر مسلمان پہ فرض ہیں مگر میں اِس وقت صرف روزہ کی بابت کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں۔

رمضان شریف وہ مبارک مہینہ ہے جس میں خداوندکریم نے قرآن کریم نازل کیا۔ قرآن کریم انسان کا رہنما ہے اور انسان کے ظاہری اور باطنی مرضوں کے لئے شفاء اور بصیرت کے لئے ایک نور ہے جس سے انسان کا دل ودماغ روشنی حاصل کرتا ہے۔ جس طرح دنیا منور ہوتی ہے آفتاب سے۔

روزہ کا سب سے بڑا منشاء یہ ہے کہ انسان اپنے اندر ضبط النفس پیدا کرے اور اپنے عالی مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ بغیر اسکے وہ اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔

مگر کیا روزہ سے مقصد صرف فاقہ کرنا ہے؟ نہیں۔ دراصل اس سے یہ مقصد ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ ہم کو کھانے پینے سے صرف اس وجہ سے روکا گیا کہ ہم فطری خواہشں پر قابو حاصل کرسکیں۔ اگر ہم قابو حاصل نہ کرسکیں تو روزے کا مقصد حاصل نہ ہوا۔ اور پھر ہمارے تمام دوسری خواہشات پر فتح پانا مشکل ہوگا۔ اگر ہم روزہ کے ذریعے اپنی جسمانی لذتوں پر قابو کرنا سیکھ لیں تو بہت سے عمدہ کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ مگر افسوس ہم نے اس پہ اس قدر کاری ضرب لگائی ہے کہ اس مقصد کو بالکل ساقط کردیا ہے۔ اس میں تفصیل کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ افطار اور سحر کی دلچسپیوں سے ہر ایک واقف ہے۔ اب ہمیں یہ خیال کرنا چاہیے کہ ہم روزہ کا حقیقی مقصد کس طرح حاصل کریں۔ اگر ہم کھانے پینے کے علاوہ دیگر تمام پا[بندیاں]
اپنے اوپر عائد نہ کریں تو ہمارا روزہ ہرگز بارگاہِ خداوندی میں قبو[ل نہیں]
ہمیں چاہیے کہ ہم بُری اور مذموم باتوں کے دیکھنے سے آنکھوں ک[و]
زبان کو جھوٹ۔ غیبت اور گالی گلوچ۔ چغلخوری۔ طعنہ زنی عیب[جوئی]
سے محفوظ رکھیں۔ اسی طرح اپنے جسم کے تمام اعضاء کو بُری اور مذ[موم]
باتوں سے بچائیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو روزہ بجز فاقہ کشی کے کچھ نہ [ہوگا۔]
اس کے علاوہ ایک اور چیز ہے کہ خداوندکریم نے نزول قرآ[ن کے]
مہینے کو اِس عبادت کے لئے کیوں منتخب کیا۔ اگر ہم غور کریں تو
بڑی وجہ یہی معلوم ہوگی کہ اللہ کے اس احسان کو یاد کرکے مسلما[ن زیادہ]
سے زیادہ عبادت کریں اور اپنی زندگی کو اُس کے مطابق بنانے کی [کوشش]
کریں۔ چنانچہ فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

"اے ایمان والو! روزے تم پر فرض کئے گئے جس طرح تم سے [پہلے]
لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو"۔

روزہ سے بھوک پیاس کا صحیح طور پر اندازہ اور احساس ہوتا ہے ا[ور]
دوسروں کی تکلیف کا احساس کرکے اُن کی مدد کرنے پہ رضامند [ہوتا ہے۔]
اِس کے علاوہ جسم کی بہترین طور پہ صفائی ہوتی ہے۔
روزوں کے یہ فضائل معلوم ہونے کے بعد اپنے پروردگا[ر سے دعا ہے کہ]
وہ ہر مسلمان کو اپنی مرضی کے موافق حقیقی طور پہ روزہ رکھنے [کی توفیق عطا]
فرمائے۔ (رضیہ سلطان II متعلم کلاس)

تسنیم ماں کی لاڈلی۔ باپ کی پیاری۔ گھر کا چشم و چراغ تھی۔
کا پھول جیسا چہرہ۔ بڑی بڑی نشیلی آنکھیں۔ نازک اور پتلے
ٹ۔ ستواں ناک۔ صراحی دار گردن۔ غرض تسنیم مجسمۂ لطافت
۔ اور صورت کے ساتھ خدا نے سیرت بھی عطا کی تھی۔ وہ ہر ایک غریب
ہر وقت مدد کو تیار رہتی۔ بڑوں کا ادب کرتی۔ چھوٹوں سے پیار و
ت سے پیش آتی۔ دردمندوں کی دعائیں لیتی تھی۔ غرض کون سی خوبی
جو تسنیم میں موجود نہ تھی۔ اُسے تعلیم کے لئے ہائی سکول میں داخل
یا۔ اور تسنیم دس سال میں اس اسکول سے میٹرک کر کے نکلی۔ اسکول
بھی وہ اپنی قابلیت کی وجہ سے مشہور ہوگئی تھی۔ اسکول کی تمام ٹیچرز
سے خوش تھیں۔ اور وہ بھی ہر ٹیچر کو خوش رکھنے کی ہمیشہ کوشش
تھی۔ میٹرک کرنے کے بعد تسنیم کالج کی پُرلطف فضا میں پہنچی۔
لد ہی بی۔ اے کی ڈگری مل گئی۔ بی اے کرنے کے بعد اس کے
ن کو اس کی شادی کی فکر ہوئی۔ اور انھوں نے تسنیم کے لئے ایک
لاش کیا۔ جو کہ امیر گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ لڑکے کی جائداد
خود اس کے نام تھی۔ انھوں نے سوچا کہ جائداد بھی اتنی ہے کہ عمر بھر
کی اور کبھی کچھ تکلیف نہ ہوگی۔ منگنی ہوئی اور کچھ عرصہ بعد شادی
سبت ہی چونچلوں اور ارمانوں کے ساتھ بہو گھر میں لائی
پر تسنیم کی بہت عزت تھی۔ ساس نندیں ہر وقت
کو تیار رہتیں تھیں۔ لیکن کون کس کا۔ ساس بیچاری

شادی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مر گئیں اور سسر تو شادی سے پہلے
ہی مر چکے تھے۔ اب تسنیم گھر میں اکیلی تھی۔ ہر کام اُسے کرنا پڑتا تھا۔
کون تھا جو کرتا۔ تسنیم نے شوہر سے کہا کہ ایک نوکر رکھ دیں۔ لیکن
وہ بھلا کب رکھنے والے تھے۔ وہ تو کنجوس۔ وہمی اور دقیانوسی خیالات
کے آدمی تھے۔ لیکن تسنیم اس کے بالکل برعکس۔ علم کے زیور سے آراستہ
نئے خیالات سے روشن اور پرانے وہموں سے کوسوں دور تھی۔ شوہر
نے نوکر نہ رکھا۔ تسنیم نے صبر کیا اور تمام کام خود ہی کر لیتی۔ لیکن جب
سے تسنیم کی ساس مری تھیں گھر کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ ہر وقت لڑائی
کا میدان گرم رہتا تھا۔ اور اس کا شوہر طرح طرح کی سختیاں کرتا تھا۔
لیکن تسنیم منہ سے اُف نہ کرتی اور سب کچھ برداشت کرتی۔ وہ سمجھتی تھی
کہ اب اس دُنیا میں اور کون ہے جس کے پاس وہ جائے۔ کیونکہ اس
کے ماں باپ بھی ایک مہلک مرض میں مبتلا ہو کر دنیا کو خیرباد کہہ گئے
تھے۔ اور اب تسنیم کا ساتھی صرف اُس کا شوہر تھا۔ تسنیم پر اب سختیاں
ہی نہیں ہوتی تھیں بلکہ دست درازیاں بھی ہونے لگی تھیں۔ اور اب
وہ تسنیم جو کہ مار سے بالکل ناآشنا تھی۔ چپکی مار کھاتی تھی۔ اور اب
تسنیم کا شوہر دوستوں کے ساتھ تمام رات غائب رہتا۔ اور کبھی کئی
روز بعد گھر آتا۔ اب وہ دوستوں کے ساتھ شراب نوشی۔ جوئے
اور مختلف بد کاموں میں شریک تھے۔ جو جائداد تھی ختم ہوئی اور اب
تسنیم کے زیور کی باری آئی۔ تسنیم کا تمام زیور بکا۔ پھر برتن۔

پھر کپڑے سیے۔ غرض جب تمام چیزیں فروخت ہوچکیں تو مکان رہن رکھا گیا۔ جب مکاندار کا سود بہت ہوگیا تو اس نے بھی مکان سے نکال باہر کھڑا کر دیا۔ لیکن تسنیم نے سب کچھ خاموشی سے برداشت کرلیا۔ اور اپنے پانچ سال بچے سمیت ایک گاؤں میں چلی گئی۔ اور وہاں سلائی کرکے اپنا اور اپنے بچے کا گذارہ کرتی۔ اس نے بچے کو خود پرائیوٹ پڑھایا۔ اور پھر اُسے مڈل کا امتحان دلایا۔ بچہ بھی ہوشیار تھا۔ جلدی پڑھ گیا۔ اور بی۔ اے کرلیا۔ بی۔ اے کے بعد جلدی نوکری بھی مل گئی۔ اور ایک دفتر میں سو روپئے ماہوار پر نوکر ہوا۔ لیکن تسنیم کے شوہر کا پتہ نہ ملا کہ وہ کہاں ہے۔ حالانکہ تسنیم نے پھر بہت تحقیقات کرائی لڑکے کے نوکر ہونے کے بعد تسنیم پھر آسودہ حال ہوگئی تھی۔ اور امیری گھر میں براج رہی تھی۔ تسنیم کے لئے عیش کا سامان مہیا تھا۔ نوکرانی بھی تھی۔ تسنیم کا لڑکا باپ کی طرح کنجوس نہ تھا۔ یہ تھی تسنیم کی آپ بیتی۔ جو آپ کے سامنے ہے۔

نوٹ:۔ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ آدمی کو مشکل میں گھبرانا نہ چاہئے۔ بلکہ صبر سے برداشت کرنا چاہئے۔ تکلیف کے بعد ہمیشہ راحت ہے۔

(نسیمہ سلطان جماعت ہشتم)

کیا عورتیں ناقصات العقل ہیں؟

(از نصرت جہاں بشیر الدین کلاس ہشتم)

اکثر کہا جاتا ہے کہ عورتیں ناقصات العقل ہیں۔ ذرا کسی عورت سے کوئی کام بگڑ جائے یا کوئی منہ سے غلط بات نکلے تو جھٹ اپنی فضیلت ثابت کرنے کے لئے مرد فرمائینگے "عورتوں کی ذات کم عقل ہے یا عورتوں میں عقل کہاں ؟ عورت نے ہی آدم کو جنت سے نکالا۔ عورت ہمیشہ مرد کو ورغلاتی ہے۔ عورت کے فتنے سے اللہ بچائے" وغیرہ۔

آدم کو عورت یعنی حوا نے جنت سے نہیں نکالا۔ بلکہ شیطان نے ورغلایا تھا۔ قرآن پاک میں یہ بار بار آیا ہے کہ ہم نے آدم سے فرمایا تو اور تیری بیوی دونوں جنت میں رہو۔ جہاں دل چاہے سیر کرو اور جو جی چاہے کھاؤ۔ مگر خبردار فلاں درخت کے پاس مت جانا اور نافرمانی نہ کرنا۔ نہیں تو ظالم ٹھہرو گے۔ کچھ مدت تو انھوں نے ہنسی خوشی عیش و عشرت کی زندگی بسر کی۔ مگر پھر شیطان نے انھیں ورغلانا شروع کیا اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس لئے اس درخت سے منع کیا ہے تاکہ تم وہ پھل کھا کر ہمیشہ کی زندگی نہ پاؤ۔ چنانچہ عرصہ زیادہ ہوگیا۔ ان کو خدا تعالیٰ کا وہ حکم یاد نہ رہا اور نافرمانی سرزد ہوگئی۔ تو اس میں عورت کیسے گنا ہگار ٹھہری۔ اور مرد کیونکر بے گناہ ثابت ہوا؟ خدا نے تو دونوں کو فرمایا تھا کہ جنت میں رہو۔ ایک ہی طرح دونوں کو حکم ملا کہ نافرمانی مت کرو۔ اور میرا حکم یاد رکھو۔ پھر دونوں وہ حکم بھول گئے۔ ایک ہی طرح دونوں سے نافرمانی ہوگئی۔ ایک ہی طرح جنت سے نکالے گئے۔ ایک ہی طرح گنا ہگار ٹھہرے اور ایک ہی طرح بخشے گئے۔ دین اور ایمان کا دار و مدار قرآن شریف پر ہے اور قرآن شریف سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حوا نے آدم کو بہکایا۔ اور جو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ آدم کو حوا نے بہکایا۔ فرض کرلو کہ یہ ٹھیک ہے تو وہ بقول مردوں کے ناقصات العقل تھیں۔ اچھا یہ بھی جانے دیجیے کہ عورت نے مرد کو جنت سے نکلوا دیا۔ لیکن پڑنا جھگڑا کس نے

سکھایا۔ پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عورت مرد کی پسلی سے بنی ہے۔ اب ذرا غور فرمایئے جبکہ عورت مرد کی پسلی سے بنی ہے تو ناقصۃ العقل ہوئی یا عقلمند ہوئی؟ آپ ہی کے جسم کا ایک حصہ ہوئی۔ اور جب جسم کے ایک حصہ کا یہ حال ہے کہ عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھرتی ہے تو تمام جسم تو شاید عقل کے پیچھے بندوق اٹھائے اٹھائے پھرتا ہوگا۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ عورتوں کا مکر قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔ بیشک عورتوں کے مکر کا بیان ایک جگہ آیا ہے۔ لیکن مردوں کے مکر کے بارے میں بھی تو بہت کچھ آیا ہے۔ مثلاً فرعون۔ ہامان۔ سامری۔ قارون وغیرہ یہ سب مرد تھے۔ حضرت مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ عورت تھیں۔ جن کی پاکدامنی کی قرآن شہادت دیتا ہے۔ حضرت آسیہ فرعون کی بیوی عورت تھیں۔ کہ فرعون جیسے کافر کے گھر میں ایمان پر قائم تھیں۔ بلقیس ملکۂ سبا عورت تھی۔ جو سب سے پہلے ایمان لائیں۔ جن کی عقل اور دانائی کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ حضرت خدیجہؓ عورت تھیں جو سب سے پہلے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور بے بسی اور بے کسی حالت میں رسول کریمؐ اور اسلام کی مدد کی۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ عورت تھیں جن کو "خاتونِ جنت" کہا جاتا ہے۔ پس قرآن مجید کی روشن ترین شہادت کے روبرو سراپا خیالی اور بے سند باتوں کو بہتر یہ ہے کہ بھول جائیے۔

اب آیئے تجربے کی جانب۔ اگر آپ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو ناقصات العقل سمجھتے ہیں تو بسم اللہ۔ لڑکے اور لڑکیوں کو یکساں تعلیم دلوایئے اور پھر نتیجہ دیکھئے کہ لڑکیاں لڑکوں سے پیچھے رہتی ہیں یا آگے نکل جاتی ہیں۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ہمیشہ لڑکی لڑکے سے بڑھ کر ثابت ہوگی۔ یونیورسٹیوں کے نتائج اٹھا کر دیکھئے۔ اور پھر بتایئے عقل و ذہن کے اعتبار سے لڑکیاں پیش پیش اور پیش ہیں یا نہیں؟ پھر سولہ سالہ لڑکی جس خوبی سے گھر کا انتظام کرتی ہے کیا سولہ سالہ لڑکے بھی عام طور پر ایسے ہی ثابت ہوتے ہیں؟

برادرانِ عالیشان! آپ اس وہم و گمان میں نہ رہئے کہ عورتوں کو خدا نے عقل نہیں دی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ خدا نے انھیں اس انسانی شرف سے محروم نہیں فرمایا۔ یہ محض آپ کا خیال ہے۔ کون سا ایسا کام ہے جو عورت نہیں کر سکتی۔ عورت میں جس قدر صبر اور برداشت کا مادّہ ہے مرد میں نہیں۔ مرد بھاری سے بھاری۔ سخت سے سخت کام کر لیتا ہے۔ مگر ایک بچے کا رونا اُن کو پاگل بنا دیگا۔

اصل بات یہ ہے کہ مردوں کی اس قسم کی باتوں نے کہ عورتوں میں عقل نہیں ہوتی اِن کو کم ہمت اور پست حوصلہ بنا دیا ہے اور اُن کے اعلیٰ دماغوں کو کند اور کھوٹا کر دیا ہے!

کیا عقل اور انصاف کا یہی تقاضا ہے کہ اپنے محسن و مربی کو جس نے نہ رات کو چین لیا نہ دن آرام کیا۔ خونِ جگر پلا پلا کر پالا پوسا۔ اس کے صلے میں انھیں ناقصات العقل کا خطاب دیا جائے؟

عقل، علم اور تجربہ میں چھپی ہوئی ہے۔ اس لئے آپ کو چاہئے کہ آپ اور تعلیم حاصل کیجئے۔ ورنہ اگر آپ عورت کو ناقصۃ العقل سمجھتے رہے تو بقول آپ کے جیسا کہ عورت نے آدم کو جنت سے نکالا یاد رکھئے کہ اب اپنی عقلمندی کی حمایت میں کہیں ابنِ آدم کو دوزخ میں نہ پہنچا دے!!

(نصرت جہاں جماعت ہشتم)

ضرورت

ہماری تیرگی کو صبحِ خنداں کی ضرورت ہے

ہماری بے لبی کو ساز و ساماں کی ضرورت ہے
فضائے ہند کو تعلیمِ نسواں کی ضرورت ہے

جھکی جاتی ہیں نظریں شرمِ ناداری سے پھولوں کی
جبینِ باغ کو شبنم کے افشاں کی ضرورت ہے

ہیں کچھ دور منزلِ علم و عرفاں کی چلو اٹھو
مگر اس راہ میں شوقِ فراواں کی ضرورت ہے

پڑی ہے انجمن تاروں کی سونی ایک مدت سے
اسے اک صدرِ محفل ماہِ تاباں کی ضرورت ہے

نظر آتا نہیں مطلق کتابِ زیست کا مضموں
ہماری تیرگی کو صبحِ خنداں کی ضرورت ہے

بھلا کیسے مکمل ہو سکے تصویرِ خوش حالی
ہماری قوم کو تعلیمِ نسواں کی ضرورت ہے

ذرا چونکو اٹھو دیکھو بہت آگے گئی دنیا
ہمارے کارواں کو ساز و ساماں کی ضرورت ہے

پہن رکھا ہے زیورِ علم کا خاتونِ مغرب نے
ہمیں گلگونۂ انوارِ عرفاں کی ضرورت ہے

مسلط جہل کی تاریکیاں ہیں ملک و ملت پر
مصافِ دہر میں عزمِ نمایاں کی ضرورت ہے

ابھی ہیں اپنی بہنیں زیورِ تعلیم سے عاری
انھیں اس خاص آرائش کے ساماں کی ضرورت ہے

ضرورت ہے کہ ہم سب علم کی وسعت میں کھو جائیں
گلستانِ ادب کی تازگی میں جذب ہو جائیں

سروری بیگم - جماعت نہم
سنہ ۱۹۴۱ء

FORGET ME NOT
خوبصورت کو نئے خوبصورت رنگوں سے بنائیے
(نسیمہ سلطان جماعت ہشتم)

میز پوش کے لئے

رنگ حسب پسند

اور یہ پھول ملتانی کڑھائی سے کاڑھا جائے

بہت بھلا معلوم ہوگا

عزیزہ خاتون (جماعت ہشتم)

اینگلو عربک گرلز ہائی سکول دہلی

THE ASS AND THE LOAD OF SALT

ONCE there was a man and he had an ass He was in the habit of overloading the poor beast which could not move easily One day the master loaded him with bag of salt. In the way there was a stream In the stream the ass walked slowly. The master rained heavy blows on the helpless animal. The ass fell down in the stream, the salt melted away and the load become light. And he could now move on more easily.

The next day the ass was loaded with salt, as he was crossing the water he sat down in the water in order to make the load lighter. The man understood all about the matter, he became very angry, and determind to take revange with him and teach him a lesson.

Accordingly he returned to the town, and loaded him with sponges. The ass sat down in the water, hoping to lighten the load. But to his great misfortune, instead of becoming lighter, it become heavier. Sponges had sucked up water and become heavier, the ass was cruelly punished for his cleverness

Razia Roshan, X.

A MISER

ONCE a miser was going to a Masjid to say his prayers. On the way he remembered that he had not put out the lamp, he thought that much of the oil would be wasted. He, therefore came back to home, and said to the maid, "I have returned home from the Misjid to tell you to off the lamp. Don't you see the oil is being wasted ? 'Master." replied the witty girl, "have not your walking this distancs over again wasted the sole of your shoes?" "No," replied the miser proudly, "I am holding them under my arms"

the trees and soft green grass was looking like green velvet.

A very beautiful rustic girl was sitting on the shore with her pot and her dark bright long hairs were hanging on her back and she was singing a good hymn in a low tone. This scene was very beautiful and I stayed there a long time. But this scene was one on which the sight could dwell for ever without fatigue.

Bilqis Begum, X.

THE LAND OF PAGODAS

BURMA is called the land of the Pagodas. There the villages are built on the banks of the river and have a fence round the three sides of the villages to keep away the wild beasts. The houses are built of wood and bamboos and are perched up on high legs to make them safe against wild beasts, snakes and floods.

The children learn to take care of themselves very early out there They can guide the herds of buffaloes by lying full length on the back of the leader. The people wear a long straight shirt tucked in at the waist and a loose white jacket with wide sleeves. The men wear gay silk handkerchief round their heads. Some of the men wear their's over their shoulders There are many Pagodas because the Burmese thinks that they will live happily for ever if they build a Pagoda.

In the Pagoda there is a terrace, a number of domes, and a spire covered with rings. From each ring hangs a bell. Inside there are altars to make offerings.

There are timber yards by the side of big river. There the elephant bring logs of wood from the forest and place them in order. These logs are floated down in the river till they go where they are wanted. The man guides the elephants Rice is the chief food of the Burmese. Most of it is sent to England

Shakra Begum, IX.

Salim adopted the title of Jahangir the queen was given the title of Noor Jahan (light of the world)

It was this queen who invented Atar of roses. Jahangir loved her so much that he did nothing without her consent In fact it was Noor Jahan who ruled over India She used to sit behind a curtain in the court and took part in the proceedings of the court and Jahangir was the Emperor only in name.

Hamida Begum, IX Calss.

A PUZZLE

My first is in tribe, and also in bight.
My second is in day, but not in night.
My third is in ocean, also in land.
My fourth is in leg, but not in hand.
My fifth is in rabbit, also in hare
My sixth is in full, but not in bare.
My seventh is in youth, also in boy.
My eighth is in sorrow, but not in joy.
My ninth is in treasure, and also in chest
My whole is a town to Madras west

Hurmat Tamiz Uddin.

Find the solution in the next issue.

THE SCENERY OF A LAKE

ONE day early in the morning I went for a walk and found myself near a lake. At that time the scene was very charming. The sun was dispersing the darkness of night and great reddish was looking very charming with some white stray clouds floating in the blue sky The water of the lake was rippling and red lotus flowers were swimming in it. The shadow of the hills and large trees were falling in the broad and peaceful mirror. A large number of bright yellow daffodils grew along the shore of the lake, they were twinkling like s'ars, and some butter-flies of beautiful colours were flying over them. The good smell of the flowers was spreading everywhere. The gentle cool breeze was blowing, the birds were chiring on

place, but move from place to place. This is because when the flocks and herds have eaten up the grass in one place These grasslanders move to other parts of the land and make villages there. These grasslanders wear loose coats made of fur; wear high boots made of soft leather, and wear caps made of sheepskin The dress of the women is very much like that of the men, but their head dress is different. Instead of the cap, they wear a piece of white linen cloth wrapped round their heads.

These people chiefly take mutton as their food, which they get from the sheep. They are very fond of tea, which they get from the traders.

They usually drink milk. They can go for a whole day without drinking water for several days without eating.

These grasslanders count their riches by the number of members in their families and their flocks, and herds. If a man has more members in his family and bigger flocks and herds, then he is richer than that man who has less.

Shakra Begum, Class IX.

NOOR JAHAN

SHE was one of the most famous Empresses of Moghal dynasty in India. Her father, Mirza Ghayas, left Iran for India to seek some employment in the court of Akbar the Great. While the party was on the way to India Noor Jahan was born. But the parents were not able to take the child with them so they left her in the jungle and passed on.

A caravan was coming behind. The people saw the child and carried it to the court of Akbar who handed the child to the wife of Mirza Ghayas to bring her up properly.

It is a wellknown story that Prince Salim, known afterwards as Jahangir, fell in love with the girl who was named Mehr-Un-nisa. When Prince Salim succeeded Akbar to the throne of India, he succeeded in marrying this most beautiful woman. When

In accidental poisoning, induce free vomitting by large draughts of warm water or tea, or 2 or 3 table-spoons of common salt in warm water, and follow it up with hot coffee, or some brandy and water, until the doctor arrives.

Mad dog bites; when bitten by a mad dog, burn the wound with carbolic acid or with a hot wire. The patient should be sent to the Pasteur Institute at Kasauli for injections.

Nose Bleeding. The sufferer must keep his head up. He should never lie down; cold wet cloth should be placed on the head.

Fainting. It is due to the sudden failure of the heart. Plenty of fresh air must be given. To make the blood flow to the patients' head he should be laid on the floor and his feet raised, his clothes loosened, and pour the cold water on the face.

Cuts. In small cuts Tincture Iodine would do, and small pieces of wet cloth soaked in Borace acid would do. In case of deep cuts, bandaging the place tightly and pouring cold or hot water stops the flow of blood.

Bilqis Begum, Class X.

THE GRASSLANDERS

THE Grasslanders are inhabitants of a part of land on the north of Tibbat, not very far from us. In spring and the early days of summer, this part of land is worth seeing. It becomes all covered with green fresh grass and coloured tulips, lilies and many other tiny little flowers. Beauty lasts only for a short time. The flowers fade away and the grass becomes dried up and brown, for the rest of the season. Trees are scarcely seen here; only willow treer make their appearance near some streams. Rains seldom fall here.

The inhabitants of this land, or the grasslanders as we may call them are mostly shepherds. These people do not build permanent houses, but live in tents. The village hen is called an (Aul.) All around these villages live the flocks of sheep and goats. These villages have no permanent

Jamil came to attend the feast the father of the girl called him aside and requested him to take his daughter with him because he was actually wedded to her. Jamil agreed and started to his place with his newly wedded wife. On their way to Jamil's house they had to stay for a night in a jungle. Jamil was in a fix:—That if he took the wedded bride with him, he would not be able to get anything from the merchants, and feeling himself destitute, and homeless, he decided to leave her alone in the jungle. Consequently he left her all alone in that tent which they had fixed there and went back to the merchant's house In the course of time Jamil was married to Hussan Ara. Hussan Ara though apparently a good girl was very much proud of her father's big resources and thus she did not care much for her husband. One day when he was returning home, late in the night, he met with an accident. During his long illness Hussan Ara left her and went away. So he was removed to the hospital for treatment.

The forlorn forgotton wife on waking up found herself helpless, and being a girl of firm determination, she decided to find her husband. She went to the same city and found her way in a hospital as a nurse Her luck favoured her. Jamil came to the same hospital where she was a nurse. She nursed Jamil whole-heartedly. By and by Jamil began to regain his lost health but he was much pained to find that he was forsaken by his faithless wife, but was much consoled at finding that the nurse who attended on him was no other than the poor girl whom he had deserted soon after their marriage and much repented for the wrong he had done to her. Soon they were reconciled and began to live happily in their modest way of life.

Akhtar Sultan, Class X.

WHAT TO DO WHEN ILL?

IN severe headache have a cold water douche on the head under a water tap, and put on an ice bag or rub pieces of ice on the head for three or four hours.

In fact the death of Tagore is an irreparable loss to India, India is mourning him as her noblest son

May the noble soul rest in peace.

Amna Inayat, IX.

DESTINY

ONCE upon a time there lived in Bagdad a rich merchant by name Amir Khusro. He had a daughter Husan Ara, who was the only successor to his vast estate. When Husan Ara grew up, the Amir was anxious to find a suitable match for her, who could also be able to take charge of his business.

He come across a young handsome boy Jamil by name who though belonging to a rich family, was now in a miserable position. He brought the boy to his house and promised to marry him with his daughter and to give him his whole estate in dowry.

Once Amir Khusro sent Jamil to a neighbouring town on some business He saw a marriage procession, in which the bridegroom was not only weak but very ugly. On seeing Jamil the father of the bridegroom approached him and requested him to change place with his son to enable him to marry the girl, that he was most anxious to marry the girl, but to whom he was afraid the father of the bride would not marry his daughter in view of his being too weak and ugly In Exchange for this, the father of the bridegroom offered to compensate Jamil very handsomly, Jamil readily agreed to do so and the marriage ceremoney was celebrated. On their way back when they were again going to change places, the bride saw the trick played by them, so she pretended to be suffering from an acute pain, which she said could only be cured by her father On her persistent appeal, the girl was sent back to her father's place, where she related the whole story. The father of the girl arranged a big feast in which all the big men including the outsiders who were in the town at that time were invited Jamil too was in the town that day, having come back to attend to his business. When

not only her Shakespare but she also lost her most illustrious son and great philosopher. It is true, that the world is poorer by the death of Tagore.

Tagore was born in Calcutta on May 7, 1861. The Tagore family is one of the most ancient and highly respected families of Bengal. His grand-father was a disciple and companion of Raja Ram Mohan Roy. His father Debenderanath Tagore was called Maharshi on account of leading a simple life. His mother Sarada Devi died when the poet was very young. He was very fond of literature from his early age. But he did not like to read in school, for the method of teaching was very bad in those days. Though he joined a school in his early age, yet left it and learant all the subjects by tutor at home.

He married Shileida at the age of twenty two, during his stary in Eastern Bengal. He wrote several short stories and songs which are very popular, while he was leading a happy life, his wife and two children died. He could not bear the sorrow and fell seriously ill When he was seventeen years old, he went to England to study English Literature. He returned after some years. But he went to England again in 1912. There his poem "Gitanjali" was published, which gained a worldwide reputation for him as a poet. In 1913 he returned to India and was later awarded the Noble prize for literature.

He also went to Japan in 1916 and from there to America. He wrote there "Gift" and "Stray bird" which were liked very much by everyone.

Tagore started a school "Santimikatan" when he was forty years old in Bulpur which is a very beautiful place. There students can receive education freely and through nature's aid lead a spiritual life. He thought that the method of teaching in olden days was wrong because mere learning from books is not high education. He said nature is the best teacher for children. Now the college is famous for its Education in all the world.

His eighty first brithday celebration were held with great enthusiasm this year. He wrote his autobiography in the last year of his life.

air ships are some of the later contribution of Science to the preservation, understanding and enrichment of life. But where is that enrichment ? All around there is pestilence, poverty and starvation ; bloodshed and war. Society is in peril. How many of you have ever thought about it? How many of you have realised that it needs change in the out-look? It needs readjustment It needs consolidation ; a harmonious and unified effort by all. It needs abolition of private enterprize and laissez—fair of egoism and seperate existence, of conservation and unqualified mental suppression. The importance of domestic duties fades ; the responsibilities to society gain ground. You cannot afford to be mere housewife and look indefferent to the crying need of the country. You cannot turn a deaf ear to it. Lift up your hearts and shatter the least traces of conservatism in you. Be rational. For as Drummond said, "One who cannot reason is a fool ; who will not, is a bigot ; who dare not, is a slave." Be not therefore a fool or a bigot or a slave. Have faith in yourself and your destiny. Believe in your own thoughts and hopes and ideals. Do not be afraid of making mistakes. Have ambition. Try to enlighten those who come in touch with you Whisper into their ears, that women need emancipation. Widen your outlook and see the world in despair. It needs your help There is false hope and bigotry. There is hatred. Let there be new light on your account. Let human happiness be the basic principle of our culture and let universal brotherhood reign supreme. The distinction between one community and another, between a conntry and another, between rich and poor, high and low, man and woman must vanish. For then alone, will science with all its new force and beauty come forth to liberate humanity from starvation and enrich it.

RABINDRANATH TAGORE

THE news was heard with great sorrow that the greatest poet of India passed away at seven August in Calcutta. Alas India has lost

A MESSAGE TO STUDENTS

By Miss M. B. Ansari, Headmistress.

IT has been my previlege to be with students all my life, and I consider it my good luck as I believe that this class of young men and women is both liberal and modifiable. I would therefore like to give you some advice that you really need. Much has been said on the material contribution of education to women, and its influence on their ways of living as a daughter a wife and a mother. This is as it should be. We have in our February 1941 issue of the school magazine a charming little essay by Suhab Qazalbash on Roh-i-Zindgi, a subject the importance of which I for one do not minimise. I recommend every girl to read that article once again. But I desire here to transcend these topics and confine myself to matters that more vitally and permanently affect the lives and thoughts of the pupils, in the confidence that they will be faithful to the light within them. There is so much around us to depress and dishearten you. The entire age seems so awfully lacking in moral grandeur. Your cultural training is imperfect and haphazard Effort is with you without a goal ahead. In moments of doubt you feel you are no better than shadows in a dream You find moral laws in conflict with each other. You stand aglast and bewildered. What light can I shed ? What golden spell can I weave to shatter these clouds of darkness ? If you bear with me in words that follow I shall try to persuade you that he was a false teacher who said that woman's sole duty was domestic slavery and condescension to man. She needs must contribute to the society and prevent it from impending disaster, and deterioration.

Science has changed the entire globe into a more organised structure. It has increased production, discovered useful weapons with which to fight diseases, evolved instruments for comfort and safety. It has industrialised the world The convenience of a bus or a motor-car, the skill of a physician or a surgeon, the knowledge of the influence of heredity, the meanings of dreams, antiseptics, talkies, television and radio communications, stream lined transport air conditioning, and

Anglo-Arabic Girls High School Magazine

September, 1941.

Vol. 2 } ANGLO-ARABIC GIRLS HIGH SCHOOL MAGAZINE { No. 4

EDITORIAL

THANK God that the fourth edition of our magazine has issued. We have great pleasure to know that the public is intrested in our magazine and like it very much We hope to make it interesting in future.

We congratulate, Rafat Jahan, Bilqis Begam, Mahmooda Tasnima and Fatma Begam, who have been elected this year as office-bearers of our Debating Society.

We had a Debate on Friday in our school. The subject for the debate was "Sultan Razia was a better ruler than Nur Jahan." Many students took part in it and it was very successful. Girls in favour of the subject won the debate

Dr. Tagore passed away from this world. The literary world has suffered a great loss on his death. We are very sorry on his death.

Please allow me to congratulate Mustabshara Khatoon (who passed Matric this year) whose marriage with Mr. Mohomed Ahmad (who is brother of Miss Mahmooda Ansari) was celebrated on 20th August. We all wish her and her groom a long and happy married life.

Razia Sultan, X Class Editor.

FOREWORD

IT is with great pride that I inform the readers that not only our magazine but also the school to which it belongs has attained distinction in Delhi Province. From the viewpoint of muslim culture there was no high school for girls in Delhi that could equal Anglo-Arabic Girls' High School, Delhi. Now the matriculation results have shown that the Muslim Girl can easily be the leader in academic sphere also, provided she gets the proper training and guidance. For the last three years the results have not been so high (i.e. 86½ p. c) as this year, and the swift recognition of this success by the public soon made itself apparent in the increase in the number of students in the school which exceeds all previous records.

Our girl students have a lot to thank Miss Mahmuda Bano Ansari, the Headmistress whose guidance brought about this distinctive result.

This is the fourth issue of our magazine and we can say very confidently that we are going ahead and not backword so far as its standard is concerned. The distinctive feature of our magazine is not only its being the sole representative of the ideas of the Muslim Girl Students in Delhi, but also its exclusive faminine character. The reader will observe that all the articles, poems, etc. of our magazine are written by our girl students, a fact of which we can be deservedly proud.

In the end I thank the management for providing electric fans and other facilities for the school which greatly added to our comfort as a whole. I also congratulate our ex-editress of the magazine and a brilliant student of our school, Mustabshra Khatun Saheba on her happy marriage with Mr. Mohd. Ahmed, who is a worthy brother of our really worthy Headmistress. We offer the couple the best of our good wishes for a long and happy married life.

Mrs. Sabra Shabihul Hassan.

PROVERBS

1. Out of sight out of mind.
2. Empty vessels make much noise.
3. Pride has a fall.
4. Spend and God will send.
5. Do good have good.
6. Bright to sight heart's delight.
7. To-morrow will never come.
8. Something is better than nothing
9. To-morrow will take care of itself.
10. Penny wise pound foolish.
11. Prettiness dies quickly.
12. Beauty needs no paint.
13. Love begets love.
14. Patience and application will carry through.
15. Poverty tries true friendship.
16. A thing of beauty is a joy for ever.

Razia Roshan, X.

We are very thankful to Jamia Millia Authorities, particularly to Mr. Ala-ud Din Khalid for lending us photo-block of Dr. Tagore.

Nigran.

Anglo-Arabic Girls High School Magazine

CONTENTS.

Editor English Section:—**Razia Sultan, X Class**

Sub-Editor:—**Rafat Jahan Begum, VIII Class**

Anglo-Arabic Girls High School Magazine

CONTENTS.

Editor English Section:—**Razia Sultan, X Class**

Sub-Editor:—**Rafat Jahan Begum, VIII Class**

اینگلو عربک گرلز ہائی اسکول دہلی

اسٹاف

مس محمودہ بانو انصاری بی۔ اے۔ ایل۔ ٹی الہ آباد ہیڈ مسٹریس

مسز صابرہ شبیہ الحسن ایم۔ اے (تاریخ) آگرہ یونیورسٹی بی۔ ٹی (علیگ)

مس اختر قریشی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (علیگ)

مسز زہرہ مشاغل بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (علیگ)

مس نزہت جہاں بیگم ایس۔ وی

مس حمیدہ عارف معلمہ ڈومیسٹک سائنس (تدبیر منزل)

ماہنامہ

الحق

فطرت انسانی کا تذکرہ

(۶)

(ترجمہ)

صفوۃ الرحمٰن صابر

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

فہرست مضامین

بابتہ ماہ شوال المکرم ۱۳۶۶ھ جلد ۱ عدد ۴

فی پرچہ (۸ر سالانہ ۶ے) تعاون حسب استطاعت

صفوۃ الرحمٰن صابر نے اعظم اسٹیم پریس سے طبع کروا کر دفتر رسالہ "الحق" دیوڑھی شہریار جنگ متصل ناکہ منطپورہ حیدرآباد دکن سے شائع کیا۔